

نور و شکر

— افادات —

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فراز خاں صفدر مدظلہ

مُرتَّب — فیاض (جماعتِ اسلامی سواتی)

ناشر

مکتبہ عکاظ دیوبند (لوی)

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (القرآن)
إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الحديث)

نور و بشر

افادات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ

مرتب

محمد فیاض خان سواتی

ناشر

مکتبہ عکاظ دیوبند ۲۲۷۵۵۲



جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	نور و بشر
افادات	:	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ العالی
مرتب	:	محمد فیاض خان سوائی
باہتمام	:	شمشیر احمد قاسمی
ناشر	:	مکتبہ عکاظ دیوبند

ملنے کے پتے

- (۱) نعیمیہ بکڈ پو دیوبند
- (۲) دارالکتاب دیوبند
- (۳) مکتبہ مدنیہ دیوبند
- (۴) مدنی کتب خانہ خواجه بخش دیوبند
- (۵) القاسمی بکڈ پو مدرسہ سراج العلوم بھیونڈی ۵۲۱۳۳
- (۶) مکتبہ محمودیہ نزد ہندوستانی مسجد بھیونڈی
- (۷) الحق بکڈ پو ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۹	پہلا اعتراض اور اس کا جواب	۵	مقدمہ
۴۰	دوسرا اعتراض اور اس کا جواب	۸	تور و بشر کے بارے میں علماء دیوبند کا عقیدہ
۴۲	تیسرا اعتراض اور اس کا جواب	۹	تور و بشر کے بارے میں علماء بریلی کا عقیدہ
۴۳	چوتھا اعتراض	۱۱	بریلیوی دیوبندی اختلاف کی حقیقت
۴۴	الجواب	۱۱	وجہ تالیف
۴۴	پانچواں اعتراض	۱۳	باب اول
۴۵	الجواب	۱۳	حضورؐ کے بشر ہونے پر قرآنی دلائل
۴۵	چھٹا اعتراض		حضورؐ کے بشر ہونے پر احادیث مبارکہ
۴۶	الجواب	۱۶	سے دلائل
۴۸	دوسری دلیل اور اس کا جواب		حضورؐ کے بشر ہونے پر آثار صحابہؓ
۵۳	فائدہ	۱۷	سے دلائل
۵۳	پہلا اعتراض		حضورؐ کے بشر ہونے پر اقوال علماء اسلام
۵۵	الجواب	۱۸	و مفسرین و محدثین کرام
۵۸	دوسرا اعتراض	۲۵	حضورؐ کے بشر ہونے پر اقوال فقہاء کرام
۵۹	اولیت اشافی کا جواب	۳۰	آپؐ کی بشریت کا ثبوت ایک اور انداز سے
۶۴	الجواب		بریلیوی علماء کے اقوال سے آپؐ کی بشریت
۷۴	واسطہ فی العرض کی بحث	۳۱	کا ثبوت
	دیگر حضرات انبیاء کرامؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام	۳۷	باب دوم
۷۸	کی نبوت کا انکار (معاذ اللہ)	۳۷	فریق مخالف کے دلائل اور ان کے جوابات
۸۱	تیسرا اعتراض	۳۷	پہلی دلیل اور اس کا جواب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۵	فریق مخالف کے دلائل اور ان کے جوابات	۸۱	حضرت تھانویؒ اور حدیث نور
۱۰۵	دلیل نمبر ۱	۸۳	دلیل نمبر ۳
۱۰۷	الجواب	۸۵	الجواب
۱۱۳	دلیل نمبر ۲ اور اس کا جواب ..	۹۳	باب سوم
۱۱۵	اعتراض	۹۳	حضور ﷺ کا سایہ ہونے کا ثبوت ..
۱۱۸	الجواب	۹۳	دلیل نمبر ۱
۱۲۷	دلیل نمبر ۳ اور اس کا جواب ..	۹۵	اعتراض
۱۲۸	اعتراض	۹۶	الجواب
۱۲۹	الجواب	۹۹	دلیل نمبر ۲
	پا، ل اور فرشتوں کے سایہ کرنیکی مزید ..	۱۰۱	اعتراض و جواب
۱۳۱	روایات اور ان کے جوابات ..		سایہ کا انکار کرتا دراصل شیعہ کا
۱۳۱	پہلی روایت اور اس کا جواب ..	۱۰۲	مذہب ہے
۱۳۲	دوسری روایت اور اس کا جواب ..	۱۰۳	اعتراض
۱۳۳	تیسری روایت اور اس کا جواب ..	۱۰۳	الجواب
۱۳۳	چوتھی روایت اور اس کا جواب ..	۱۰۵	باب چہارم



مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على خاتم النبيين محمد وعلى آله واصحابه وازواجه واتباعه اجمعين۔

اقابعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بے شمار مخلوقات پیدا فرمائی ہیں ان ہی مخلوقات میں سے جن، ملائکہ اور انسان بھی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے جو شرف و فضیلت انسان کو عطا فرمائی ہے، وہ اپنی باقی مخلوقات میں سے کسی اور کو نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے جنات کو آگ سے پیدا فرمایا اور ملائکہ کو نور اللہ سے پیدا فرمایا اور انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے قرآن کریم میں ربِّ کائنات کا ارشادِ گرامی ہے۔

از قال ربك للملائكة احي
خالق البشر من طين
جسوت فرمایا تیرے رب نے فرشتوں سے
کہ تحقیق میں پیدا کرنے والا ہوں بشر
(انسان) کو مٹی سے۔

اس بشر سے مراد یہاں حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ایک اور مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے۔

از قال ربك للملائكة احي
بشر من صلصال من حماء
جس وقت فرمایا تیرے رب نے فرشتوں سے
کہ تحقیق میں پیدا کرنے والا ہوں بشر (انسان) کو
بجی مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے
مسنون : ۲۱

ان دونوں آیات مبارکہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان (یعنی آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جنات اور ملائکہ دونوں سے انسان کو افضل و اشرف قرار دیا جیسا کہ بے شمار آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ سے ثابت ہے۔ ہم یہاں تفصیل میں جانے کی بجائے صرف ایک دو آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ ناری مخلوق جنات اور نوری مخلوق ملائکہ سے خاکی مخلوق انسان بزرگ اور افضل ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ: بے شک ہم نے انسان کو بڑی اچھی ساخت پر پیدا کیا ہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیام قیامت جتنے انسان بھی پیدا ہوئے اور ہوں گے۔ ان سب کو یہ شرف حاصل ہے بشرطیکہ مسلمان ہوں ورنہ تو پھر اُولَئِكَ كَانُوا لَآلِهَةٍ مِّن دُونِ اللَّهِ فَلا تَدْعُهُمْ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَشَرِبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ يَكْرَهُ الْمُسْرِفِينَ۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ: پھر اور البتہ تحقیق کرم بنایا ہم نے اولادِ آدم کو اس آیت سے بھی انسان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی یہ بات بالکل واضح ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔

حدثنا محمود بن غیلان: محمود بن غیلان، ابو احمد، سفیان، یزید

نا ابو احمد ناسفیان عن ابن ابی زریاد عبد اللہ بن حارث حضرت

یزید بن ابی زیاد عن عبد اللہ مطلب بن وداعد سے روایت ہے کہ

بن الحارث عن المطلب حضرت عباس رضی اللہ عنہ وسلم کی

بن ابی وداعدہ قال جاء العباس کی خدمت میں آئے اور گویا انہوں نے

الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات سنی تھی، اس پر نبی اکرم صلی اللہ

وكان له سمع شيئاً مقام
النبي صلى الله عليه وسلم
على المنبر فقال من انا فقالوا
انت رسول الله عليك السلام
قال انا محمد بن عبد الله
بن عبد المطلب ان الله
خلق الخلق فجعلني في خير
هم ثم جعلهم فرقتين
فجعلني في خيرهم فرقة
ثم جعلهم قبائل فجعلني
في خيرهم قبيلة ثم
جعلهم بيوتاً فجعلني في خير
هم بيتاً وخيرهم نفساً
هذا حديث حسن وقد روى عن
سفيان الثوري عن يزيد بن
سفيان بن عيينة بن زيد بن
ابن زياد بن نوح حديث اسماعيل
بن الجهم خالده عن يزيد بن ابی
زياد عن عبد الله ابن الحارث
عن العباس بن عبد المطلب

(ترمذی شریف ص ۲۲ مطبوعہ ابن کثیر دہلی)

اس روایت سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ تمام مخلوقات میں سے انسان
اشرف المخلوقات ہے۔ ناظرین کرام۔ یہاں تک مخلوقات کی بات تھی کہ جنات اور ملائکہ
اور انسانی مخلوق میں سے کون سی مخلوق افضل ہے۔ ہم نے قرآن کریم اور حدیث مبارکہ سے

یہ بات واضح کر دی کہ ناری مخلوق جنات اور نوری مخلوق ملائکہ سے خاکی مخلوق انسان افضل ہے۔ اب ہم یہ بات عرض کرتے ہیں کہ تمام انسانوں میں سے سب سے افضل و اشرف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں کوئی جن اور کوئی فرشتہ نبی بنا کہ نہیں بھیجا گیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ صَلَاحٌ
يَمْشُونَ مَطْمَئِنِّينَ لَأَمْلَأْنَا
عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا الرَّسُولَ
كَرِهِيحْتِ۔

(دیکھ)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ فرشتوں کو رسول اور نبی بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انسانوں کو نبی و رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام کے تمام انبیاء و رسل انسانی مخلوق میں سے ہی تھے اور خاص کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حدیث مبارکہ ترمذی شریف کے حوالے سے اور پر گزیر چکی ہے۔ قرآن و حدیث، صحابہ کرام، سلطت صالحین، مفسرین و محدثین اور ائمہ اربعہ کی تعلیمات کی روشنی میں ہمارا اہل السنۃ والجماعہ کا یہ نظریہ اور عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء انسان تھے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان اور بشر ہیں مگر ساتھ ساتھ یہ نظریہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل بشر ہیں انہ تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہی آپ کے نور ہونے کا ہمیں انکار ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بھی مانتے ہیں اور نور بھی لیکن نور سے نور ہدایت مراد ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے جیسا کہ علم مکرم استاد محترم امام اہل السنۃ محدث اعظم پاکستان محقق دوران امام فن اسماء الرجال شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا علامہ محمد سرخاند خان صاحب صفحہ مدظلہ العالی نے اپنی کتاب تہقید متین ص ۸۴ و ۸۵ میں نقل کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

”ہمارا ایمان اور تحقیق یہ ہے کہ اہم الرسل خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر بھی ہیں اور نور بھی جنس اور ذات کے لحاظ سے تو آپ بشر ہیں اور صفت و ہدایت کے اعتبار سے آپ نور ہیں۔ آپ کی بدولت دنیا پر ظلمت کو روشنی نصیب ہوئی کفر و شرک کی تاریکی کا نور ہوئی اور نور ایمان و توحید کی شعاعوں سے سطح ارضی منور ہوئی، جو لوگ خواہشات نفسانی اور اہوار و آراء کی تاریکیوں اور باہمی شقاق و خلاف کے گہرے گڑھوں میں پڑے دھکے کھا رہے تھے۔ آپ کی وساطت سے وہ سلامتی کی کھلی اور روشن راہوں پر گامزن ہو گئے۔ کوئی مسلمان اس حقیقت کا منکر نہیں ہے، بل اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں معنی نور سمجھا اور کہا جائے کہ معاذ اللہ آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیت ہی کا سرے سے انکار کر دیا جائے تو لغوی قطعاً صریح کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہم اس کے قطعاً منکر ہیں۔“

ناظرین کرام! یہ ہمارا عقیدہ اور نظریہ ہے اور اس کتاب ”نور و بشر“ میں اسی عقیدہ کے پیش نظر بحث کی گئی ہے، اس عقیدہ کے برخلاف بریلوی حضرات کا عقیدہ اور نظریہ یہ ہے۔ چنانچہ بریلوی حضرات کے ماہنامہ رسالہ خنئی لاہور بابت ماہ اپریل ۱۹۶۴ء کے ابتدائی ٹائٹل پر مختصر عقائد اہل سنت والجماعت کے عنوان سے چند عقائد درج ہیں بعض یہ ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے ذاتی نور پاک سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو پیدا کیا، پھر اس نور سے تمام کائنات کا ظہور فرمایا۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جامعہ بشریت میں اللہ تعالیٰ کے بے مثل نور ہیں :- ایک دوسرے بریلوی عالم خواجہ محمد یار صاحب (المتوفی ۱۳۶۶ھ) کہتے ہیں۔

خدا کہتے ہیں جس کو مصطفیٰ معلوم ہوتا ہے جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے (ولیان محمدی ص ۱۸)

محمد مصطفیٰ محشر میں طہ بن کے نکلیں گے اٹھا کر میم کا پردہ ہویدا بن کے نکلیں گے
حقیقت جن کی مشکل تھی ناشابن کے نکلیں گے جسے کہتے ہیں بندہ قل هو اللہ بن کے نکلیں گے
بجاتے تھے جو اتنی عبتہ کی بوسری ہر دم خدا کے عرش پر اتنی انا اللہ بن کے نکلیں گے

(دیوان محمدی ص ۱۱۱)

احمد احمد میں فرق نہیں اسے محمدؐ عشاق یار رکھتے ہیں ایمان نئے نئے
(دیوان محمدی ص ۱۱۲)

گر محمدؐ نے محمدؐ کو خدا مان لیا پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دعا باز نہیں
(دیوان محمدی ص ۱۱۳)

محمدؐ دی صورت ہے صورت خدا دی میرے دل توں نقشہ مٹا کوئی نہیں سکدا
(دیوان محمدی ص ۱۱۴)

احمد نال احمد دلا کیوں نہ ڈیکھاں حبیب خدا کوں خدا کیوں نہ ڈیکھاں
(دیوان محمدی ص ۱۱۵)

محمدؐ محمدؐ پکیندی گزر گئی احمد نال احمد ملیندی گزر گئی
میں اپنی حیاتی تو قربان فیضوال خدا کو محمدؐ سڈینڈی گزر گئی
(دیوان محمدی ص ۱۱۶)

احمد احمد کوں ڈوں نہ کہہ من گھن چراڈ چوں نہ کہہ
(دیوان محمدی ص ۱۱۷)

ناظرین کرام! اب آپ نے دیکھ لیا کہ بریلویں کا عقیدہ نور و بشر میں کیا ہے ہم نے
کتاب کے باب دوم میں ان کے دلائل بھی ذکر کر دیے ہیں جن سے ان کے مسلک کی حقیقت
اچھی طرح کھل کر سامنے آجائے گی کہ دعویٰ کیا ہے اور دلائل ان کے کس قسم کے ہیں جہاں تک
بریلوی اور دیوبندی اختلاف کا تعلق ہے اس پر لکھنے کی تو اس مقدمہ میں گنجائش نہیں ہے
مگر اصولی طور پر اس اختلاف کی مختصر سی وضاحت کی جاتی ہے جو ام کے ذہن میں ایک سوال

پیدا ہوتا ہے اور اکثر لوگوں نے ہم سے یہ سوال کیا بھی ہے کہ بریلوی اور دیوبندی دونوں اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعۃ حنفی کہلاتے ہیں، مگر ان دونوں میں اختلاف بھی اس قدر ہے کہ ایک دوسرے کو کافر تک کہتے ہیں۔ ان دونوں میں سے صحیح کون ہے اور ان کا آپس میں اختلاف کیا ہے ؟

اس کا جواب ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اصولی طور پر بریلوی اور دیوبندی میں اختلاف دو باتوں میں ہے۔ پہلی بات شرک کا مسئلہ ہے اور دوسری بات بدعت کا مسئلہ ہے۔ علماء دیوبند علم غیب، حاضر و ناظر، مختار کل، نور و بشر، استعانت بغیر اللہ، نذر و نیاز اور ان جیسی دیگر باتوں کو خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور میں ماننے کو قرآن و سنت، صحابہ کرامؓ، سلف صالحین اور ائمہ اربعہؓ کی تعلیمات کی روشنی میں شرک قرار دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف بریلوی حضرات ان باتوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح بدعت کا مسئلہ ہے مثلاً اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام، جنازہ کے بعد دعا، قبریں پکی کرنا، قبروں پر غلات چڑھانا، اذان میں انگوٹھے چمنا، قبر پر اذان دینا، عید میلاد النبیؐ کا جلوس، حیلہ اسقاط، بیجا، ساتواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں اور ایسی ہی دیگر باطل خرافات و رسومات کو علماء دیوبند بدعات تصور کرتے ہیں، مگر بریلوی حضرات ایسی باتوں کو نہ صرف جائز بلکہ باعث اجر و ثواب سمجھتے ہیں۔ علماء دیوبند نے قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں جو تعریف شرک و بدعت کی کی ہے اسے بریلوی حضرات تسلیم نہیں کرتے، بلکہ قرآن و سنت کے خلاف اپنی مرضی سے جو چاہے تاویل کرتے ہیں۔ ہماری سمجھ کے مطابق دیوبندی اور بریلوی اختلاف کی حقیقت یہی دو باتیں ہیں۔ ان ہی اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ نور و بشر کا بھی ہے۔ اس بارے میں اہل حق دیوبند کی طرف سے کافی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ہمارے ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرت العلوم جسے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفحہ مدظلہ کی شائع کردہ مختلف کتابوں میں بھی یہ مسئلہ نور و بشر آچکا ہے، مگر اس مسئلہ پر کوئی مستقل کتاب ادارہ کی طرف سے شائع نہ ہو سکی، جیسا کہ باقی تمام مسائل میں ادارہ کی طرف سے کتابیں شائع

ہوتی ہیں۔ مثلاً علم غیب کے مسئلہ پر ازلۃ الربیب اور اظہار الغیب، مسئلہ حاضر و ناظر پر تبرید النواظر اور تغریج الخواطر، مسئلہ مختار کل پر دل کا سرور اور استعانت کے مسئلہ پر گلہ ستہ کو حید اور رد بدعات پر المنہاج الواضح یعنی راہ منت، باب جنت تنقید متین، حکم الذکر بالبحر اور اخفاء الذکر وغیرہ۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب تنقید متین میں یہ لکھا ہے کہ مسئلہ نور و بشر کی پوری تحقیق اور بحث تو انشاء اللہ ہم اپنے رسالہ نور و بشر میں کریں گے مگر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی تدریسی و تبلیغی مصروفیات اور پیرائہ سالی اور علالت کے باعث یہ بات پوری نہ ہو سکی۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ مسئلہ نور و بشر اپنی کتاب تنقید متین اور اتمام البرہان میں کافی وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔ اسی لیے انہوں نے مزید اس مسئلہ پر کوئی الگ کتاب لکھنے کی خاص ضرورت محسوس نہیں کی، مگر شائقین کے خطوط کثرت سے آتے رہے کہ جس طرح آپ نے دوسرے مسائل پر کتابیں لکھی ہیں اس مسئلہ پر بھی ضرور کتاب لکھیں مگر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ میں نے مسئلے کی وضاحت کر دی ہے۔ ہمارے ادارہ نشر و اشاعت کے ناظم صاحب نے حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے افادات کی روشنی میں مسئلہ نور و بشر پر جو کہ آپ کی مختلف کتابوں میں موجود ہے اسے یکجا کر دیا جائے تو حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے اس بات کی اجازت فرمائی، تو احقر نے حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی مختلف کتابوں سے اس کتاب نور و بشر کو مرتب کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ احقر کی اس سعی کو قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

احقر محمد فیاض خان سواتی

مدرسہ نصرت العلوم

یکم صفر ۱۴۱۱ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بابِ اَوَّل

نبی اور رسول شریعت کی اصطلاح میں اس انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے شریعت نازل کی گئی ہو اور جب دوسروں کو تبلیغ کرنے کا بھی مامور ہو تو وہ رسول ہے چونکہ زمین کی خلافت و نیابت انسان کے حوالے کی گئی ہے اس لیے حکمت کا تقاضا یہ ہی ہے کہ انسانوں کی اصطلاح اور رشد و ہدایت کے لیے انسان اور بشر ہی رسول مبعوث ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

قرآنی دلائل

آیت نبی

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا
إِذْ جَاءَهُمْ الْهُدَىٰ إِلَّا
أَنْ قَالُوا أَلْبَسْتُمُ اللَّهَ بَشَرًا
(پیشا سورۃ الاسراء رکوع ۱۱) کو رسول بنا کر بھیجا ہے ۔!

اس سے معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کو ایمان لانے سے ان کا یہ نظریہ مانع رہا کہ بشر کو رسالت کیزکر مل سکتی ہے۔ جیسی تو انہوں نے صاف الفاظ میں یہ کہا کہ اَلْبَسْتُمُ اللَّهَ بَشَرًا
رَسُولًا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنایا ہے ؟

ان نادانوں نے بشر کو رسول ماننے سے تو انکار کیا، لیکن پتھر کو معبود ٹھہرانے سے

ترہائی، چنانچہ حضرت علی بن سلطان المعروف بہ علی بن القاری الحنفی المتوفی ۸۱۷ھ
 لکھتے ہیں کہ

إِنْكَادًا مِنْهُمْ إِنْ يَرْسُلِ اللَّهُ
 بَشَرًا وَاقْرَأًا بَانَ يَصْلَحُ
 أَنْ يَكُونَ إِلَّا لَهُ حَجَرًا أَمْ
 (شرح الشفاء ص ۵۴۲ طبع مصر)

اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ

قُلْ نَوَكَّانَ فِي الْأَرْضِ
 مَلَائِكَةٌ يَخْشَوْنَ مُطِيعِينَ
 لَنُرِيَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ
 مَلَكَادُ سُوْلًا

رِیْثَا سُوْرَةِ الْاِسْرَاعِ ۱۱

یعنی زمین میں چونکہ انسان آباد ہیں، تو ان کی اصلاح اور بھلائی کے لیے بشر آدمی اور
 انسان کو ہی رسول بنا کر بھیجنا مصلحت کے عین مطابق ہے۔ اگر فرشتے زمین میں بسنے والے ہوتے
 تو آسمان سے فرشتے اور نوری مخلوق ان کی اصلاح کے لیے مبعوث کی جاتی۔

آیت نمبر ۲

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ
 مَعَ السَّاجِدِينَ ۚ قَالَ كُنْتُ أَكُونُ
 لِسُجْدٍ لِّبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ
 صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَنْوُورٍ
 قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ
 رَجِيمٌ ۚ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے
 کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ
 نہ دیا، وہ بولائیں نہ تھا نا کہ بشر کو سجدہ
 کرتا جس کو تو نے کھنکھاتے ہوئے ٹپے
 گارے سے پیدا کیا، فرمایا، تو نکل جا یہاں
 سے بے شک تو مردود ہے اور تجھ پر

إِلَى يَوْمِ الدِّينِ (پیشا الحجۃ ۳) قیامت کے دن تک پھسکار ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں تجھے والے مٹی اور سٹرے ہوتے گا دے سے بشر پیدا کرنے والا ہوں جب میں اس کو ہنا چکوں اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا۔ فرشتوں نے بلائیل وقال تعیل حکم میں سجدہ کیا، مگر ابلیس لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بشر اور آدمی کو کم درجے کا سمجھنا ابلیس لعین کا نظریہ ہے جس پر تا قیامت اللہ تعالیٰ کی پھسکار پڑتی ہے گی اور وہ مردود و مطعون ٹھہرا رہے گا اور بشر کو اعلیٰ شان کا سمجھنا فرشتوں (اور فرشتہ صفت لوگوں) کا کام ہے۔ اس مضمون کے پیش نظر جو شخص بشر میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پلو دیکھ رہا یا تلاش کر رہا ہے، تو وہ ابلیس کے طریقے کو اپنا رہا ہے اور اس کو اپنا مقام خود سمجھ لینا چاہیے۔

آیت نمبر (۳)

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ يُوحَىٰ إِلَيَّ (الآیۃ پتا کہف) تو کہہ میں تو تمہاری طرح کا بشر ہوں مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی میں بھی بشر ہوں جیسے تم بشر ہو اور تمام لوازمات بشر پر مجھ میں پائے جاتے ہیں جیسے تم میں ہیں۔ ہاں میرا اور تمہارا فرق یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل کی جاتی ہے جس کی بدولت میرا نام اور مقام بہت بلند ہو گیا۔

آیت نمبر ۴

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ ۚ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُ سُوْلَاہ ۚ تو کہہ سبحان اللہ میں تو نہیں ہوں مگر بشر رسول۔

(دیکھا بنی اسرائیل ۱۰)

مشرکین مکہ نے تعقوب و عناد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند فراموشی

نشانات طلب کیسے تھے جو حکمت خداوندی کے خلاف تھے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یوں ارشاد فرمایا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ ذَا هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُ سُوْرَاہ
ماقرن کرام، ہم نے یہاں تک قرآن کریم کی چار آیات ذکر کی ہیں جو کہ مسئلہ کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ آگے احادیث مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں۔ (فیاض)

حدیث نمبر ۱ | احادیث مبارکہ سے دلائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ سے اپنا منصب بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا۔

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الحديث) کہ میں تو تمہاری طرح کا بشر ہوں۔

(بخاری شریف ص ۸۵، مسلم شریف ص ۲۱۳)

حدیث نمبر ۲

آپؐ نے ارشاد فرمایا

إِنَّمَا أَنَا مُحَمَّدٌ مِّثْلُ بَشَرٍ لِّغَضَبٍ (الحديث) اے میرے پروردگار میں محمد (صلی اللہ

علیہ وسلم) تو بشر ہوں مجھے غصہ بھی آ

(منا احمد ص ۳۹۳ ج ۲) جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۳

خطبہ کسوف کے موقع پر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الحديث) اے لوگو پختہ بات ہے کہ میں تو بشر

رسول۔ (الحديث) رسول ہوں۔

(مواد النظام ص ۱۵۸)

حدیث نمبر ۴

حجۃ الوداع کے بعد ایک خاص مقام اور مخصوص موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

الَّا يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ خیر دار۔ اے لوگو پختہ بات ہے کہ
یوشک ان یا تینی رسول ربی میں تو بشر ہوں، قریب ہے کہ میرے
عن وجہ فاحیب (الحديث) پاس میرے رب کا قاصد (ملک الموت)
آجائے اور میں اس کے حکم کی تعمیل کروں۔

منہاج ص ۲۷۶ واللفظ للہ، وداری ص ۲۲۳ وسلم ص ۲۷۹ و سنن الکبریٰ ص ۱۱۲
ناظرین کرام! ہم نے یہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار احادیث مبارکہ
نقل کر دی ہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کے آثار نقل کیے جاتے ہیں۔ (فیاض)

اثر نمبر ۱ | آثار صحابہؓ سے دلائل

ترجمان القرآن جبرالات حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ بھی مذکور ہے۔
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ کہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم قد مات و انتہ بشر کی وفات ہو چکی ہے، کیونکہ بتائید آپ
(الحديث، وداری ص ۲۳۳) بشر تھے۔

اثر نمبر ۲

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم بشر تھے (کان بشر من البشر) (شمالی ترمذی ص ۲۷۷ و ادب المفرد ص ۷۹
للایم بخاری)

اثر نمبر ۳

قالت ما کان الا بشراً من حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نہ تھے جناب
البشر الخ (سورۃ الطمان ص ۵۲۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر بشر میں سے بشر

اثر نمبر ۴

جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی آپ کو بشر کہا۔
(تخصیص المستدرک ص ۱۰۸)

اثر نمبر ۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ کرامؓ نے جو قریش کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ایک موقع پر آپ کو بشر کہا۔
(مستدرک حاکم ص ۱۰۶)

ناظرین کرام! یہاں تک ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے پانچ اقوال نقل کر دیے ہیں آگے علماء اسلام اور فقہاء ملت و مفسرین و محدثین اور صوفیاء کرام کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔ (فیاض)

اقوال علماء اسلام و مفسرین و محدثین کرامؓ

تمام علماء اسلام اور فقہاء ملت اس بات پر متفق ہیں کہ سب حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر تھے۔ صاف اور صریح الفاظ میں اپنی کتابوں میں وہ اس کا بلا خوف و تردید اظہار اور اعلان کرتے ہیں۔ ہم چند حوالے عرض کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر (۱) (۲) (۳)

قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ المالکی المتوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں کہ

قد قدّمنا انہ صلی اللہ علیہ

وسلم و سائر الانبیاء والرسول

من البشر وان جسمہ وظاہرہ

خالص للبشر یجوز علیہ من

الافات والتغیرات والالام

بلاشبہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی تمام حضرات

انبیاء اور رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر

تھے اور آپ کا جسم مبارک اور ظاہر خالص

والاسقام وتجرع كأس
الحمام ما يجوز على البشر
وهذا كله ليس بنقيصة
فيه الخ (الشفا ص ۱۵۴ طبع مصر)

بشری تھا آپ پر وہ سب کچھ جائز ہے جو
اور انسانوں پر طاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً
تکالیف مصائب آلام بیماریاں اور موت
کا پیالہ پینا وغیرہ اور ان سب امور کی
وجہ سے آپ کی شان میں کوئی کمی اور
نقص نہیں آتا۔!

یہ عبارت اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن اور صاف ہے۔ اس میں کوئی اشکال
نہیں ہے اسی کے قریب الفاظ میں (نمبر ۲) غلام محی الدین برکلی الحنفی (المتوفی ۱۰۵۲ھ)
(نمبر ۳) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفی (المتوفی ۱۰۵۲ھ) کے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم و
سائر الانبیاء من البشر بحمدہ) ملاحظہ ہو طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم و تکمیل الایمان طبع مکھنوصہ ۳۔

نمبر ۲

امام محمد بن محمد انکر دروی الحنفی (المتوفی ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں کہ
لان النبی علیہ السلام بشر
والبشر جنس یلحقهم المعرفة
الا من اکرمهم الله اه
(فادیٰ برازیہ ص ۳۶ براش مالگیری طبع مصر) بخش دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور
بشر ایک ایسی جنس ہے جس کو عیب لاحق
ہو سکتا ہے۔ ہاں مگر جن کو اللہ تعالیٰ عزت

اس عبارت میں بھی تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ یہ الگ
بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عصمت کی بلند پایہ
علمت سے نوازا ہوتا ہے اور وہ معصوم ہوتے ہیں۔

نمبر ۵

ملازمہ جلال الدین الدوانی الشافعی (المتوفی ۹۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ
النبی هو الانسان بعينه الله
نہی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ

إلى الخلق لتبليغ ما أوحى إليه
(شرح عقائد جلالی ص ۲)
خلق کی طرف تبلیغ احکام کی خاطر مبعوث
کہتا ہے۔

بشر آدمی اور انسان یہ تمام الفاظ ہم معنی اور مترادف ہیں اور اس عبارت سے واضح
ہوا کہ نبی انسان ہوتا ہے۔

نمبر ۶

محقق اخلاف حافظ ابن المہمام الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ

ان النبى انسان بعثه الله
لتبليغ ما أوحى إليه و
كذ الرسول فلا فرق -
(المسيرة مع المسارح ص ۸۳ طبع مصر)
تحقیق سے نبی وہ انسان ہے جس کو
اللہ تعالیٰ اپنے نازل کیے احکام کی
تبلیغ کے لیے مبعوث کرتا ہے اور اسی
کو رسول کہتے ہیں (اس لحاظ سے)
دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

نمبر (۷)، (۸)، (۹)

اسی کے قریب الفاظ میں شرح عقائد ص ۱۳ اور ص ۹۸ للعلامۃ التفتازانی (المتوفی ۷۲۸ھ)
اور ملا صدوق علی العضدیتہ ص ۱۲ اور رشیدیہ ص ۵ وغیرہ عقائد اور علم منظرہ کی مستند کتابوں میں

نمبر ۱۰

اہم جلال الدین البیہقی الشافعیؒ (المتوفی ۹۸۱ھ) لکھتے ہیں کہ

والا شهر في معنى الرسول
ان الله انسان أوحى إليه بشرع
وامر بتبليغهم فان لم يؤمر
فنبى فقط (تدريج الراوي ص ۱۹)
رسول کے معنی میں مشہور یہ ہے کہ وہ ایسا
انسان ہوتا ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی
جاتی ہے اور تبلیغ شریعہ کا مامور ہوتا ہے
اور اگر اسے تبلیغ شریعہ کا حکم نہ ہو، تو فقط
نبی ہوتا ہے۔

یعنی اگر جدید شریعہ اور نئے احکام کی تبلیغ کا حکم ہو تو وہ رسول ہوتا ہے اور اگر جدید

شرح کی تبلیغ کا حکم نہ ہو، بلکہ پہلی شریعت کی تبلیغ کا حکم ہو تو وہ نبی ہوتا ہے۔

نمبر ۱۱

امیر یمنی محمد بن اسماعیل (المتوفی ۱۱۸۲ھ) لکھتے ہیں کہ

وفي لسان الشرع عبارة
عن الانسان انزل عليه شريعة
من عند الله بطريق الوحي
فاذا امر بتبليغها الى الغيب
سمى رسولا اه
(سبل السلام ص ۹ طبع مصر)

اور شریعت کی اصطلاح میں نبی اس
انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی
طرف سے وحی کے ذریعے شریعت نازل
کی گئی ہو اور جب اسے دوسرے
لوگوں کی خاطر اس شریعت کی تبلیغ کا
حکم دیا گیا ہو تو اسے رسول کہتے ہیں۔

نمبر ۱۲

علامہ محمد عابد بن الشامی الحنفی (المتوفی ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ بشر کی تین قسمیں ہیں
خواص جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور درمیانے قسم کے جیسے حضرات صحابہ کرامؓ
وغیرہ اور عوام جس طرح دیگر لوگ (شامی ص ۳۹۲ طبع مصر)

نمبر ۱۳

امام محمد بن عمر الرازی الشافعی (المتوفی ۴۰۶ھ) لکھتے ہیں کہ

كان محمد صلى الله عليه
وسلم من البشر
(تفسير كبير ص ۳۵ طبع مصر)

یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے

نمبر ۱۴

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی الشافعی (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ
وقال رسول الله صلى الله عليه
وسلم في كل وقت وهو في
آب رسالت اور خلافت الہی کے بلند مرتبے

مرتبۃ الرسالۃ والخلافتہ پر فائز تھے۔ یہی فرماتے رہے کہ میں تو
 انما انا بشر مثلكم فامر بحجہ تمہاری طرح کا بشر ہوں آپ کے اس بلند مقام
 المرتبۃ عن معرفۃ نشأۃ نے آپ کو اپنی حقیقت کے اعتراف سے
 (توحات مکیہ ص ۲۳ طبع مصر) نہیں روکا۔

یعنی باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت و خلافت کا اعلیٰ
 مقام مرحمت فرمایا ہے بایں ہمہ آپ نے اپنی بشریت کا صاف اور صریح الفاظ میں ذکر فرمایا
 ہے اور اس سے انکار نہیں کیا۔

نمبر ۱۵

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ (المتوفی ۷۶۰ھ) نے اپنی مثنوی میں ایک حکایت بیان
 کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ تھا جو مکان کی چھت پر کھیل رہا تھا اور اس کے
 ماں باپ بھی کسی کام میں مصروف تھے (یا دھوپ سینک رہے ہوں گے) مکان کی چھت پر
 ایک کھوکھلا سا پرنا لہ تھا جس کے ذریعے چھت کا پانی کوچر میں بہتا تھا۔ اچانک وہ بچہ اس
 پر نالے میں جا گھسا۔ پرنا لہ چونکہ گلی کی طرف آگے کی طرف بڑھا ہوا تھا۔ ماں باپ کو خیال ہوا کہ یہ
 اتنا مضبوط تو ہے نہیں، مبادا یہ کہ پرنا لہ بچے کے وزن کو برداشت نہ کر سکے اور نیچے گر جائے
 اور بچہ ہلاک ہو جائے۔ جب ماں باپ اس کے قریب گئے، تاکہ اس کو پرنا لے سے باہر نکالیں
 تو وہ نادان بچہ لاڈ میں آکر اور اندر گھٹتا چلا گیا، جس سے ہر لمحہ خطرہ بڑھتا رہا اور ماں باپ جب
 اس کو اپنی طرف بلاتے تو وہ اور دور ہوتا جاتا، بالآخر وہ مایوس ہو گئے کہ یہ اناڑی اور نادان بچہ
 بات نہیں مانتا اور پرنا لہ لٹ گیا، تو یہ ہلاک ہو جائے گا۔ کسی دانے جو یہ ماجرا دیکھ رہا تھا۔ ان
 کو یہ مشورہ دیا کہ اسی عمر کا کوئی بچہ فوراً محلے سے لے آؤ اور اس کو مکان کی چھت پر بٹھا دو، یہ نہ تھا
 بچہ جب اس کو دیکھے گا، تو بقاعدہ الجنس یصل الی الجنس اس سے مانوس ہو کر تمسلا
 بچہ بھی پرنا لے سے باہر نکل آئے گا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور مکان کی چھت پر ہم عمر بچے کو
 دیکھ کر وہ بچہ بھی پرنا لے سے نکل آیا، اس کی جان بچی اور ماں باپ کی پریشانی کا ازالہ ہوا اس

واقعہ کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کرنے کے بعد مولانا رومی فرماتے ہیں کہ

زاں بود جنس بشر پیغمبران تا بہ جنسیت رہند از نادواں

یعنی اسی وجہ سے حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جنس بشر سے ہیں تاکہ جنسیت کی وجہ (مصائب اور گمراہی کے) پر نالے سے ان کو نکال لائیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ غیر جنس سے فائدہ اٹھانا اور اس کے اسوۂ اور سیرت پر چلنا خاصا مشکل کام ہے۔

نمبر ۱۶

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (المتوفی ۸۵۳ھ) فرماتے ہیں کہ
اے برادر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہاں اے بھائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم باوجود
علو شان بشر بود و بدایع حدوث اس بلند شان اور مرتبے کے بشر تھے
و امکان متسم اور حدوث و امکان کے داغ سے متصف

(مکتوب ۳، دفتر اول ص ۱۷۱ طبع اترہ) تھے۔

یعنی نہ تو آپ قدیم اور واجب تھے اور نہ ازل وابدی تھے بلکہ بشر حادث اور ممکن

تھے اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ

نئے یعنی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام باعلیہ
در نفس الانسیت برابر اند و در حقیقت
و ذات ہم متحد تفاضل باعتبار صفات
کاملہ آمدہ است۔
تو نہیں دیکھتا کہ حضرات انبیاء کرام
علیہم الصلوٰۃ والسلام عالم لوگوں کے ساتھ
نفس انسیت میں برابر ہیں اور حقیقت و
ذات کے لحاظ سے سب کے ساتھ متفق ہیں

(دفتر اول حصہ چہارم ص ۱۲۸)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ

نمبر ۱۷

آما در نبوت در رسالت درجہ الیت
مربی لا کہ ملک باں رسیدہ است
بہر حال نبوت اور رسالت میں نبی کے لیے
ایک ایسا درجہ ہے جس تک فرشتہ نہیں پہنچ

دآں درجہ از راہ عنقر خاک آندہ است سکتا اور وہ درجہ اصل میں مٹی سے حاصل
کہ مخصوص بر بشر است۔ ہوتا ہے جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے
(مکتوبات دفتر اول حصہ چہارم ص ۱۲۳)

ممبر ۱۷

مشہور صوفی صاحب حال و وجد علامہ بصیرتی (المتوفی ۱۳۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ
فصلیغ العلم فیہ انہ بشر و انہ خیر خلق اللہ کلہم
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مبلغ علم یہی ہے کہ آپ بشر ہیں اور
آپ بلا شک اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہتر ہیں

ممبر ۱۸

مصر کے مشہور عالم شیخ محمد عبدہ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں کہ
والا نبیاء افضل البشر بالاجماع حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
(تفسیر النار ص ۶۰۸ طبع مصر) بالاجماع افضل البشر ہیں۔

ممبر ۱۹

علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المالکی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) تو یہاں تک تصریح
فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ناموں میں سے ایک نام ہی بشر ہے۔
(زرقانی شرح مواہب ص ۱۲۳ طبع مصر)

ممبر ۲۰

محدث کبیر امام البرہان محمد بن ادریس الامام الحافظ الکبیر (المتوفی ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ
ما نجد لابی بکر وعمر فضیلة ہم حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اس جیسی اور کوئی
مثل هذه الفضیلة لا طینتها فضیلت نہیں پاتے کہ ان کا مادہ اس مٹی سے بنا
من طینة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس مٹی سے جناب رسول اللہ صلی اللہ
(مختصر تکرر القریٰ عبد الوہاب شمرانی ص ۱۲۳ طبع مصر) علیہ وسلم کا وجود مسعود تیار ہوا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ جہاں کی مٹی اور خمیر تیار ہے، مرنے کے بعد انسان اسی مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ تینوں بزرگ روضۂ اقدس کے اندر پہلو بہ پہلو قبروں میں تشریف فرما ہیں۔

یہ مختصر اور مفہوم حوالے منصف مزاج آدمی کے لیے بالکل کافی ہیں۔ ہاں ضدی اور ہٹ دھرم کے لیے دلائل کا انبار بھی ناکافی ہے۔

اقوال فقہاء کرامؒ

یہ یاد رہے کہ فقہاء کرامؒ وہ محتاط طبقہ ہے جو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سے ادنیٰ توہین کو بھی صاف اور صریح الفاظ میں کفر کرتا ہے اور اس کے مرتکب کو قابلِ گردن زدنی سمجھتا ہے، مگر بایں ہمہ وہ حضرات اہل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علی الخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صریح الفاظ میں انسان اور بشر تسلیم کرتا ہے۔

منبر

امام طاہر بن احمد الحنفیؒ (المتوفی ۳۲۰ھ) لکھتے ہیں کہ

وفي المحيط من شتم النبي	بھیڑ میں ہے کہ جس شخص نے آنحضرت
صلى الله عليه وسلم واهانه	صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہا اور آپ کی
اوعابه في امور دينه او في	توہین کی یا دینی امور میں آپ کا عیب
شخصه او وصف من	نکالایا آپ کی ذات یا آپ کے ذاتی
اوصاف ذاته سواء كان	اوصاف میں سے کسی صفت میں عیب لگایا
الشاتم مثلاً من اتمه او	عام اس سے کہ بُرا کہنے والا آپ کی اہمیت
غيرها وسواء كان من	سے ہو یا غیر ہو اور عام اس سے کہ ذاتی
اهل الكتاب او غيرهم	ہو یا حربی اور برابر ہے کہ آپ کی برائی
ذمياً كان او حربياً	یا اہمیت یا عیب قصداً اس سے سرزد

سواء كان المشتمر أو اللاهانة
 أو العيب صادراً عنه عمداً
 أو سهواً أو غفلةً أو جهلاً
 فقد كفر خلوداً بحيث أن تاب
 لم تقبل توبته ابداً لا
 عند الله ولا عند الناس
 وحكمه في الشريعة المطبق
 عند متأخري المجتهدین
 اجمعاً وعند المتقدمین
 القتل قطعاً ولو مباحن
 السلطان في نائبه في حكم
 هو هو یا سهواً یا غفلةً یا حقیقتاً هو یا دلی
 سے ہر صورت میں یہ دوا می طود پر کفر
 ہے یاں حیثیت کہ اگر وہ توبہ بھی کرے
 تو اس کی توبہ کبھی قبول نہ ہوگی نہ عند اللہ
 نہ عند الناس اور شریعت مطہرہ میں اس
 کا حکم متاخرین مجتہدین کے اتفاق سے
 اور متقدمین کے نزدیک بھی یہ ہے کہ
 اگر اس کو یقیناً قتل کیا جائے اور
 بادشاہ اور اس کا نائب اس کے قتل
 میں قطعاً کوئی نرمی اور مہمندی
 نہ کرے

قتله اھ

(خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۷۷)

فقہاء کرام کا یہ فیصلہ بھی اچھی طرح ملاحظہ کیجئے اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ وہ کس طرح
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان اور بشر کہتے ہیں۔ اگر اس لفظ میں توہین و بے ادبی کا
 ادنیٰ سا شائبہ بھی ہوتا تو وہ ہرگز آپ کو بشر نہ کہتے، بلکہ بشر کہنے والوں کے خلاف اور نہ ہی
 تو فخری ہی صادر فرما دیتے۔

نمبر ۲

فقہاء کرام اور علماء ملت نے اس کی صراحت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 کے بشر ہونے کا اقرار و عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کے بشر ہونے
 کا انکار تو کیا محض لاعلمی کا اظہار بھی کرے، تب بھی وہ کافر ہے کہ اس نے ایک بنیادی
 عقیدے کو معلوم نہیں کیا، چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر و مستند کتابوں میں ہے کہ

جو شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے یا جن تو
وہ شخص کافر ہے۔

ومن قال لا ادری ان النبی
صلی اللہ علیہ وسلم کان
النیا او جنیا یکفر۔

(فصول عمادیہ صفحہ ۱۳۵ طبع ہندوستانی
عالمگیری ص ۲۹۱ طبع مصر)

یعنی اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اقرار ایک بنیادی عقیدہ ہے
اور وہ شخص اس سے بے خبر ہے۔

متمیز (۳)

علامہ زرقانی المالکیؒ (محمد بن عبد الباقی المتوفی ۱۲۲ھ) شرح مواہب میں لکھتے

ہیں کہ

پس اگر کوئی کہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے بشر اور اہل عرب میں سے
ہونے کا علم صحت ایمان کے لیے شرط

ہے یا وہ فرض کفایہ ہے کہ ماں باپ سے
ایک نے تمیز دالے بچے کو اس کی تعلیم
دے دی، تو اس کی طلب دوسرے سے
ساقط ہو جائے گی۔ اس کا جواب شیخ

ولی الدین احمد بن عبد الرحیم العراقی الحافظ
ابن الحافظ نے یہ دیا ہے کہ صحت ایمان

کے لیے یہ شرط ہے کہ پس اگر کسی شخص نے
یہ کہا کہ میں اس بات کا ایمان رکھتا ہوں
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق

فان قلت هل العلم بكونه
صلی اللہ علیہ وسلم بشراً

ومن العرب شرط في صحة
الايمان او هو من فروض

الكفاية على الابوين مثلاً
فاذا علم احدهما قلده

التميز ذاك سقط طلب
عن الآخر لجاب الشيخ

ولی الدین احمد بن عبد الرحیم
العراقی الحافظ ابن الحافظ انہ شرط

فی صحة الايمان فلو قال شخص
او من برساله محمد صلی اللہ

عليه وسلم الى جميع الخلق
ولكن لا ادرى هل هو من البشر
او من الملائكة او من الجن
اولا ادرى هو من العرب
او العجم فلا شك في كفره
لتكذيبه القرآن لقوله تعالى
هو الذي بعث في الامم
رسولا منهم وقال تعالى
ولا اقول لكم اني ملوك
وجعله ما تلقته قرون الاسلام
خلف عن سلف وصار معلوما
بالضرورة عند الخاص
والعام ولا اعلم في ذلك
خلافاً اهـ

(الزرقاني ص ۶۸ شرح مواہب طبع مصر)

نمبر (۴)

علامہ سید محمود آلوسی الحنفی المتوفی ۱۲۷۵ھ لکھتے ہیں کہ

وقد سئل الشيخ ولي الدين
العراقي هل العلم بكونه
صلى الله عليه وسلم بشراً
ومن العرب شرط في
صحته الايمان او من الفروض
يشخ ولي الدين عراقى سے سوال کیا گیا کہ
کہا یہ جاننا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
بشر اور عربی ہیں صحت ایمان کے لیے
مشرط ہے یا یہ فرض کفایہ ہے تو انہوں
نے اس کا جواب دیا کہ یہ صحت ایمان

کی طرف بھیجے گئے ہیں لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ
بشر تھے یا فرشتے یا جن یا یہ کہ میں نہیں جانتا کہ آپ
عربی تھے یا عجمی تو اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ
اس نے قرآن کی تکذیب کی ہے کیونکہ
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ خدا تعالیٰ کی
وہ ذات ہے جس نے اُمیوں میں انہی
میں سے رسول بھیجا اور نیز فرمایا کہ
تو کہہ دے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا
کہ میں فرشتہ ہوں اور اس نے اس چیز
کا بھی انکار کیا جو اسلامی اقدار میں
سلف و خلف سے تواتر سے چلی آتی
ہے اور جو چیز عوام و خواص کے ہاں
بالبداہتہ معلوم ہے اور مجھے اس میں
کسی کا کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے۔

الكفاية فاجاب بانه شرط
في صحة الايمان ثم قال
فلو قال شخص او من
برسالة محمد صلى الله عليه وسلم
الى جميع الخلق لكن لا ادرى
هل هو من البشر او من
الملكوت او من الجن او لا
ادري هل هو من العرب
او العجم فلا شك في كفو
لتكذيبه القرآن وجعله
ما تلقته قرون الاسلام
خلفا عن سلف وصار معلوماً
بالضرورة عند الخاص
والعوام ولا اعلم في ذلك
خلافاً فلو كان غيباً لا يعرف
ذلك وجب تعليمه اياه فان
حججه بعد ذلك حكماً بکفره
(تفسير روح المعاني ص ۱۱۴ طبع مصر)

نمبر (۵) (۶)

علامہ صوفی عمر بن احمد خیر لوپی (صاحب قصیدہ بردہ) المتوفی ۸۵۰ھ کا اسی قسم کا
مشہور ملاحظہ ہو۔ (قصیدۃ الشہدۃ شرح القصیدۃ البردۃ ص ۹ طبع استنبول اور بحر الرق
ص ۱۳۱ میں بھی جملہ اس کا ذکر ہے۔

نور فرمائیے کہ کس وضاحت سے یہ اکابر علماء اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت اور آپ کے عربی ہونے سے جہالت کو کفر قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ بنیادی عقیدہ ہے

آپ کی بشریت کا ثبوت ایک اور انداز سے

انسان آدمی اور بشر کا مادہ خاکی اور مٹی سے ہے جیسا کہ قرآن کریم کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے اور مٹی ہی سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خلقت اور پیدائش ہوئی ہے۔ اس میں شک و شبہ کی مطلقاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مادہ کے لحاظ سے مٹی سے ہوئی ہے۔

مختبراً

حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ کہتے ہیں کہ

روى ابن الجوزى فى الوفاء	امام ابن الجوزيؒ نے کتاب الوفاء میں
عن كعب الاحبار انہ تعالى	حضرت كعب احبارؒ سے روایت کی ہے
لما اراد ان يخلق محمداً صلى الله	کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ
عليه وسلم امر جبرائيل	وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا
عليه الصلوٰۃ والسلام ان	کرے، تو اس نے حضرت جبرائیلؑ
يا كئيد بالطينة البيضاء	علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ وہ سفید
فهبط في ملاء من ملائكة	مٹی لے آئے، چنانچہ وہ فردوس کے
الفردوس وقبض قبضة	فرشتوں کی جماعت میں اترے اور آپ
من موضع قبره بيضاء	کی قبر مبارک کی جگہ سے سفید اور درختہ
نيرة فعجنت بماء التسييم	مٹی کی ایک مٹھی بھری۔ سودہ مٹی تسنیم
۵۱ (شرح الشفاء ص ۲۱) طبع مصر	کے پانی سے گوندھی گئی۔

اور پھر اسی مقام مبارک میں (جو ہمارے اور جمہور اہل السلام کے عیتدے کے موافق عرش الہی سے بھی افضل ہے) آپ بعد از وفات دفن کیے گئے اور اسی مقام میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دفن ہونے کا لازوال شرف حاصل ہوا۔

نمبر ۲۔

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں کہ مسئلہ: ممکن ہے کہ بعض اولیاء بعض انبیاء (کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی باقی مٹی سے پیدا ہوئے ہوں نیز یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی مٹی سے بنے ہوں۔ انتہی (ارشاد الطالبین ص ۱۹)

نمبر ۳۔

(بریلوی فرقہ کے قائد اور روح رواں مولوی احمد رضا خان صاحب کا اقرار) مولوی احمد رضا خان صاحب کو بھی اس کا اقرار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک مٹی سے بنا اور آپ بشر ہیں، چنانچہ وہ ایک مقام پر علامہ خطیب بغدادیؒ کی کتاب المتفق والمفترق کے حوالے سے حضرت محمد بن مسعودؓ کے طریق سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ابو بکرؓ و عمرؓ ایک مٹی سے بنے۔ اسی میں دفن ہوں گے۔ (السنية الانيقه ص ۸۵) اس حدیث کا تذکرہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو ارشاد الطالبین ص ۱۹) اور خان صاحب نے حاشیہ پر اس پر فائدہ یوں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس جس خاک پاک سے بنا صدیقؓ و فاروقؓ اسی مٹی سے بنے۔

بریلوی علماء کے اقوال سے آپ کی بشریت کا ثبوت

نمبر ۱: خان صاحب بریلوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف اور جسم انسانی رکھتے ہیں، مگر ارواح و ملائکہ سے ہزار

درجہ الطف وہ خود فراتے ہیں لت کمثلکم میں تم جیسا نہیں ویروئی لت کھینکے
میں تمہاری ہیئت پر نہیں ویروئی ایکو مثلی تم میں سے کون مجھ جیسا ہے۔ آخر علامہ
خفاجی رد کا ارشاد دیکھا کہ حضور کا بشر ہونا نور درخشندہ ہونے کے منافی نہیں اھ (نئی الفی ص ۱۸)

نمبر (۲)

اور یہی خان صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ جس طرح اجماع اہل سنت ہے
کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی معصوم نہیں جو دوسروں کو معصوم مانے۔
اہل سنت سے خارج ہے (دوام العیش فی ان الاکتہ من قریش طبع حنی برلی سنہ ۱۳۳۹ھ
ص ۲۷ حصہ اول)

نمبر (۳)

مشہور بریلوی عالم حکیم مولوی ابوالخات سید محمد احمد صاحب سابقہ خطیب جامع مسجد
ذریخان لاہور لکھتے ہیں۔

سوال: بنی کون ہے اور کس لیے دنیا میں آتا ہے؟

جواب: بنی وہ بشر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے لیے آئے اور احکام الہیہ
اس پر خدا کی طرف سے بذریعہ وحی آتے ہوں۔

سوال: جس قدر انبیاء گزرے یہ سب بشر تھے یا کچھ اور بھی؟

جواب: انبیاء سب بشر تھے۔

(خفی سلسلہ دنیات حصہ اول یعنی العقائد ص ۱۵ و ۱۶ مطبوعہ شعبہ اشاعت مرکزی انجمن

حزب الاحناف لاہور)

اس عبارت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ سب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

لے علامہ خفاجی کے الفاظ میں ہیں وکونہ بشر لایمنا فیہ کما توہم الخ

(نیم الریاض ص ۲۸۲ طبع متھر)

ترجمہ ۱ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا نور ہونے کے منافی نہیں نبیہا کہ وہم کیا ہے۔

بشر تھے۔ کسی اور نوع سے نہ تھے۔

نمبر (۴)

مولوی نعیم الدین مراد آبادی صاحب کی چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریشی جن کے حسب و نسب کو تم خوب پہچانتے ہو کہ تم میں سب سے عالی نسب ہیں اور تم ان کے صدق و امانت زہد و تقویٰ طہارت و تقدس اور اخلاق حمیدہ کو بھی خوب جانتے ہو اھ (حاشیہ قرآن ص ۳ ص ۲۰) اگر آپ نور ہوتے تو عربی و قریشی اور حسب و نسب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲) کفار نے پہلے تو بشر کا رسول ہونا۔ قابل تعجب و انکار قرار دیا اور پھر جب حضور کے معجزات دیکھے اور یقین ہوا کہ بشر کے مقدرت سے بالاتر ہیں تو آپ کو ساحر بتایا ان کا یہ دعویٰ تو کذب و باطل ہے، مگر اس میں بھی حضور کے کمال اور اپنے عجز کا اعتراف پایا جاتا ہے۔ (حاشیہ قرآن ص ۳ ف)

(۳) اور خواص بشر یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور صلحائے بشر عوام ملائکہ سے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن اللہ کے نزدیک ملائکہ سے زیادہ کرامت رکھتا ہے، وجہ یہ ہے کہ فرشتے طاعت پر مجبور ہیں۔ یہی ان کی سرشت ہے۔ ان میں عقل ہے شہوت نہیں اور بہائم میں شہوت ہے عقل نہیں اور آدمی شہوت و عقل کا جامع ہے لہٰذا جس نے عقل کو شہوت پر غالب کیا، وہ ملائکہ سے افضل ہیں اور جس نے شہوت کو عقل پر غالب کیا وہ بہائم سے بدتر ہے۔ انتہی (حاشیہ قرآن ص ۴۱۹ ف ۱۵۸)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا ہے جب حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قوم کے پاس بسلسلہ تبلیغ پہنچے اور حق کی بات انہیں سنائی، تو کافروں نے کہا کہ تم ہمارے جیسے آدمی اور بشر ہو تو ہمیں ان کی پوجا سے روکنا چاہتے ہو، جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ اب تم ہمارے پاس کوئی روشن سند لاؤ۔ اس کے جواب میں۔

قالت لہم رسلہم الف ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم

نحن الا لبشر مثلكم ولكن
 الله يمين على من يشاء ط
 ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے
 بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا
 (سورہ ابراہیم ۲) ہے۔ !

یہ ترجمہ خان صاحب بریلوی کا ہے اس کے حاشیے پر مولوی نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں
 (۴۷) ۳۱ اچھا یہی مانو کہ ہم واقعی انسان ہیں اور نبوت و رسالت کے ساتھ برگزیدہ
 کرتا ہے اور اس منصب عظیم کے ساتھ مشرف فرماتا ہے (صلۃ ۳) اس عبارت میں ان کے ذہن
 کی ناہمواری دیکھیے کہ نہ تو مانتے بنے نہ انکار کرتے بقول کہے نہ اگلتے بنے نہ نکلے بنے۔
 (۵) (ایک طویل عبارت کے آخر میں) کو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 سے مشاغل ہونے کا دعویٰ کرے، یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے
 اعلیٰ ہے۔ ہماری بشریت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ (صفحہ ۹۹ فل)

یہ جو کچھ کہتا ہے بالکل بجا اور درست ہے، لیکن اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
 بشریت بھی تو تسلیم کی گئی ہے اور اس فائدے کی ابتداء میں یوں لکھتے ہیں کہ (جس میں انما
 انا بشر مثلكم الا بیدہ کی تفسیر کی گئی ہے) ظاہر میں کہ میں دیکھا بھی جاتا ہوں میری بات
 سنی بھی جاتی ہے اور میرے تمہارے درمیان میں بظاہر کوئی جنسی معاشرت بھی نہیں ہے۔
 تو تمہارا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے نہ تمہارے سننے میں
 آئے اور میرے تمہارے درمیان کوئی روک ہو بجائے میرے کوئی غیر جنس یا فرشتہ آتا تو تم
 کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ ہمارے دیکھنے میں آئیں، نہ ان کی بات سننے میں آئے، نہ ہم ان کے
 کلام کو سمجھ سکیں۔ ہمارے ان کے درمیان کو جنسی مخالفت ہی بڑی روک ہے، لیکن یہاں تو
 ایسا نہیں ہے (صفحہ ۹۹ پہلے تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دبی زبان سے واقعی
 انسان تسلیم کیا تھا، لیکن یہاں ظاہر اور بظاہر کا لفظ بدل کر اپنے بد عقیدہ کی وجہ سے اپنے لیے
 چور دروازے کی گئی کش فراہم کر رہے ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ آپ کی بشریت کے اقرار سے
 منکر بھی نہیں ہاتے، عجیب محضے میں اُبھے ہوئے ہیں کہ نہ جائے مادن نہ پائے رقتن۔

(۳) مولوی نعیم الدین صاحب نے عقائد پر ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے کتاب العقائد (بیلا حصہ) پہلے ان کی زندگی میں ہندوستان میں طبع ہوا تھا اور اب لاہور میں دو جگہ طبع ہوا ہے۔ لوری کتب خانہ بازار داتا صاحبی لاہور اور ہفت روزہ سوادِ اعظم لاہور اس رسالے کے ص ۷ پر یہ سرخی قائم کی ہے ”نبوت کا بیان“ اور اس کے نیچے یہ لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خلق کی راہنمائی کے لیے جن پاک بندوں کو اپنے احکام پہنچانے کے واسطے بھیجا ان کو نبی کہتے ہیں انبیاء بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ الخ اب لوری کتب خانہ کے غازیوں نے سچائے بشر کے نور کا لفظ لکھ مارا ہے اور اس بددیانتی سے وہ اپنا باطل عقیدہ محفوظ رکھنے کا ادھا رکھائے بیٹھے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ (۴) اور اسی کتاب کے ص ۷ پر ہے۔

سوال : کیا جن اور فرشتے بھی بنی ہوتے ہیں ؟

جواب : نہیں بنی صرف انسانوں میں ہوتے ہیں اور ان میں فقط مرد کوئی عورت بنی نہیں ہوتی انتہی۔

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام انسان آدمی اور بشر تھے اور علی الخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

نمبر ۵

مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی تم گجراتی لکھتے ہیں۔

بنی جنس بشر ہیں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں جن یا فرشتے نہیں ہوتے اھ (بہار الحق ص ۱۶)

(ناظرین کرام ہم اس بحث کو پیر مرعلی شاہ گولڑوی کے فتوے پر ختم کرتے ہیں) (فیاض) جناب پیر مرعلی شاہ گولڑوی سے کسی نے سوال کیا کہ مفسرین کرامؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا، تو اس اثر کے ازالہ کے سلسلہ میں معوذتین کا نزول ہوا۔ سوال یہ ہے کہ آپ پر جادو کا اثر کیا معنی رکھتا ہے ؟ تو بظاہر شان نبوت کے خلاف

ہے۔ (مضمحلہ) اس کا جواب پر صاحب نے لیں دیا ہے۔

الجواب هو الصواب ۱۔ واقعہ مسح ریت ذات بابرکات جناب سر در کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و درست ہے اور معوذتین کا شانِ نزول بھی بالاتفاق مفسرین ہی
واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں بکثرت احادیث مروی ہیں، مگر اس واقعہ کے
وقوع سے کوئی خدشہ و اعتراض نہیں وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسے اور لوازمات بشریہ مثلاً
کھانا، پینا، سونا، مریض ہونا، من حیث الالانیت ذات مبارکہ کے ساتھ لگا ہوا تھا اسی
طرح اثرِ سحر کا بھی من حیث البشریہ ہے نہ من حیث النبوة اھ (فتاویٰ مصریہ ص ۱۰۱)
طبع سول اینڈ ٹری پریس صدر راولپنڈی، اور اسی فتویٰ میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ
اور اگر مقابلہ من حیث النبوة نہ ہو تو پھر نبی کو تکلیف و ایذا پہنچ جانی کوئی مستعبد امر
نہیں ہے، بلکہ یہ خاصا بشریت ہے جیسے اور لوازمات بشریہ سے نبی مبرا نہیں ہوتا فیلے
ہی دنیاوی تکالیف و مصائب سے بھی پاک نہیں ہو سکتا ہے۔ اھ (ص ۱۰۲)

باب دوم

ناظرین کرام! اس باب میں ہم فریقِ مخالف کے دلائل کے جوابات قرآن کریم و احادیث مبارکہ اور مفسرین محدثین فقہاء کرام و صوفیائے عظام کے فرمان و اقوال کی روشنی میں پیش کرتے ہیں (فیاض)

پہلی دلیل | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے پر پہلی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَ
كِتَابٌ مُبِينٌ هُ يَهْدِي بِهٖ اللَّهُ
مَنْ اَتٰبَعَ رِضْوَانَهُ مَسْجِلًا
بِئْسَ مَا تَدُو - الاية -
رپٹ (مائدہ - ۳)

بے شک تمہارے پاس آئی ہے۔ اللہ
تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور کتاب
ظاہر کرنے والی جس سے اللہ تعالیٰ ہدایت
کرتا ہے اس کو جو تابع ہو اس کی رضا
کا سلامتی کی راہوں کی۔

کننے والے کہتے ہیں کہ اس میں لفظ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے اور چونکہ داؤ عطف سے کتاب کا ذکر کیا گیا ہے اور معطوف و معطوف علیہ منافیہ ہوتے ہیں۔ لہذا نور الگ شے ہے اور کتاب جدا۔

الجواب | اس میں لفظ نور سے خود قرآن کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری ہے جس میں معطوف و معطوف علیہ کا ذاتاً تغایر نہیں، بلکہ محض صفت کے لحاظ سے تغایر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم روشنی بھی ہے اور وہ بات کو کھول کر بھی بیان کرتا ہے اور اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا ذکر اسی آیت کے

شروع میں مستقل ہو چکا ہے۔ یا اهل الكتاب قد جاءكم رسولنا بنبی
 فكم الاية۔ اسے اہل کتاب تحقیق سے آیا تمہارے پاس ہمارا رسول ظاہر کیا ہے
 تم پر الخ اور آخر میں کتاب کا ذکر ہے جو روشن بھی ہے اور مبین بھی ہے اور دوسرا قرینہ
 یہ ہے کہ آگے بیکھ دی جگہ میں ضمیر مفرد ہے۔ اگر فور سے آپ کی ذات گرامی اور کتاب
 مبین سے الگ چیز مراد ہوتی، تو ضمیر تثنیہ کی بہا مناسب تھی، لیکن چونکہ نور اور کتاب مبین
 ایک ہی شے ہے۔ اس لیے ضمیر مفرد کی جگہ مناسب رہی۔ گویا سیاق و سباق اور ماقبل
 وما بعد دونوں اس کے معین ہیں کہ اس مقام پر نور سے قرآن کریم مراد ہے۔ علاوہ ازیں
 قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر نور قرآن کریم کی صفت بیان ہوئی ہے۔ مثلاً ایک مقام
 پر آتا ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا اور نازل کی ہم نے تمہاری طرف روشنی
 (رہلہ النساء - ۲۴) واضح۔

اور دوسری جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَاعْتَمَدُوا
 وَكَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا الشُّوْكَ الَّذِي
 سَوَّاهُ لَوْگ جو اس نبی آخر الزمان پر
 ایمان لائے اور اس کی رفاقت کی اور
 اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی
 جو اس پر نازل کیا گیا، تو وہ ہی لوگ
 (رہلہ، اعراف، ۹) کامیاب ہیں۔

اور ایک مقام پر اس طرح ارشاد ہوتا ہے کہ

مَا كُنْتُ سَازِرِي مَا الْكِتَابُ
 وَالْوَيْمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ
 نُورًا فَهَدَى بِهِ۔ الاية
 (رہلہ، الشوری، ۵)
 تو نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان
 (کی تفصیل) کیا ہے اور لیکن ہم نے اس
 کتاب کو نور بنایا، اس سے راہنمائی
 کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اس طرح ارشاد ہوتا ہے۔

فَاٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ سُوَاۤىٰٓ مَا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَللّٰهُ تَعَالٰی پر اور اس کے
رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا۔

(یشہ - التَّحٰیٰن ۱۰)

ان تمام مقامات میں نور قرآن کریم کو کہا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین کرام نے
نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبٰیِّنٌ میں نور سے قرآن مراد لی ہے۔ ہاں بعض نے نور سے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ہستی بھی مراد لی ہے، لیکن وہی مفسرین کرام اپنی تفسیروں میں دوسرے
مقامات پر آپ کی بشریت اور انسانیت کا کھلے لفظوں اقرار کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے
اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ بشر آدمی اور انسان ہوتے ہوئے نور تھے۔

ہم نے قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبٰیِّنٌ
کی تفسیر میں جو باتیں عرض کی ہیں، وہ اپنی جگہ بالکل واضح اور صحیح ہیں۔
مگر ہمارے اس جواب پر بریلوی عالم مولوی غلام رسول سعیدی صاحب مؤلف توضیح البیان
اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں ایسی بے شمار تفسیریں موجود ہیں جن میں امور متعددہ کی طرف ضمیر واحد کا
عالی سبیل البدیۃ الصّحیح الہدیۃ کما لا یغنی علی المتدرب۔ صغیر، ارجاع کیا گیا ہو، لیکن بغض
رسالت کا کیا علاج؟ کہ مولوی سرفراز صاحب کو پورے قرآن میں صرف یہی ایک مقام
کہنا ہے۔ (توضیح البیان ص ۱۴)

مؤلف مذکور کا یہ سبب بیان فضول ہے۔ اس لیے کہ ہم نے اس کا انکار تو
ابواب نہیں کیا کہ متعددہ امور کی طرف مفرد کی ضمیر راجع نہیں ہو سکتی اور نہ اس کا
انکار کیا ہے کہ قرآن کریم میں اور مقامات نہیں، صرف یہ ہی ایک مقام ہے جس میں متعددہ
امور کی طرف مفرد ضمیر راجع ہے، چونکہ بحث نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبٰیِّنٌ کی چل رہی ہے اس
لیے اس مقام کا ذکر ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی محبت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی بیان کردہ شریعت کی پیروی میں ہم نے یہ بیان عرض کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بھینگے
کو یہ محبت بھی بغض کی صورت میں نظر آئے، اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے۔
علامہ ابو سعودؒ آیت مذکورہ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

دوسرا اعتراض

توحيد الضمير المعجور و
الاتحاد المرجع بالذات
او نكوئها في حكم الواحد
اور يدي يهدي بما ذكره الخ

ضمیر مجرور کو واحد یا تو اس لیے لایا گیا
ہے کہ ان کا مرجع متحد بالذات ہے
کیونکہ احکام قرآنی کی جامع انسانی صورت
اگر مستقور ہو سکتی ہے تو وہ آپ کی ذات
مقدس ہے اور اگر آپ کی ذات و
صفات کی اگر کوئی جامع عبادت عامل
ہو سکتی ہے، تو وہ قرآن کریم ہے، یا
اسی لیے کہ دونوں کا حکم ایک ہے۔
(کیونکہ دونوں واجب الاطاعت ہیں)
اور یا ضمیر دونوں کی طرف مذکور کی
تادیل میں راجع ہے (اور یہی وہ جواب
ہے جو اس قسم کے مواقع پر بالعموم مفسرین
اور شارحین دیا کرتے ہیں۔)

شیخ ابو سعودؒ کی طرح علامہ عبداللہ ابن عمر بیضاویؒ نے الوار التشریل میں علامہ اسماعیل
حقی نے روح البیان میں اور دیگر اکابر علماء نے بھی اپنی تفاسیر میں اس قسم کے جوابات
دیئے ہیں۔ (توضیح البیان ص ۱۴۱)

مؤلف مذکور نے علامہ ابو سعودؒ کی پوری عبارت ہی نقل نہیں کی، کیونکہ
اس سے ان کی مختار تفسیر کا پتہ چلتا ہے جو مؤلف مذکور کو مفسر ہے ان کی

الجواب

پوری عبارت یہ ہے۔

والعطف لتتزيل المغيرة
 بالعنوان منزلة المغيرة
 بالذات وقيل المراد
 بالاول هو الرسول عليه
 الصلوة والسلام وبالثاني
 القرآن يهدي به توحيد
 الضمير المعجور لاتحاد
 المرجع بالذات او لكونها
 في حكم الواحد او اريد يهدي
 بما ذكرنا - (تفسير الباعث ص ۳۴)
 یعنی باوجودیکہ نور و کتاب سے ایک ہی
 چیز مراد ہے، پھر عطف اس لیے ہوا کہ
 عنوان کی مغایرت کو بمنزلہ مغایرت
 ذات کے قرعہ دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا
 گیا ہے کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم اور کتاب مبین سے قرآن کریم
 مراد ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ
 ہدایت دیتا ہے بلکہ کی ضمیر مجرور کو اس
 لیے مفرد لایا گیا ہے کہ مرجع متحد بالذات
 ہے (یعنی قرآن کریم جو روشنی کا ذریعہ
 بھی ہے اور کتاب مبین بھی ہے) یا
 اس لیے کہ دونوں یعنی کتاب اور نبی واحد
 کے حکم میں ہیں (یعنی دونوں ہدایت و
 روشنی کا ذریعہ ہیں) یا مذکور کی تاویل
 سے یہ مفرد ہے۔

اس تفسیر میں علامہ ابوالسعودؒ نے جو بڑے کلمہ رس مفسر ہیں پہلے ضمیر پر یہ تفسیر بیان
 کی ہے کہ نور اور کتاب مبین سے ایک ہی چیز مراد ہے اور پھر باوجود ذات کے ایک
 ہونے کے عطف اس لیے ہے کہ عنوان الگ الگ ہے (اسی کو ہم نے تنقید متین ص ۱۲۱ میں
 یوں تعبیر کیا ہے۔ اس میں لفظ نور سے خود قرآن کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری ہے جس
 میں مطلق اور معطوف علیہ میں ذاتاً تغایر نہیں، بلکہ محض صفت کے لحاظ سے تغایر ہے (یعنی
 اور پھر لفظ قبل سے جو عموماً کمزور اور ضعیف قول پر بولا جاتا ہے۔ یہ تفسیر کی ہے کہ نور سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور کتاب میں سے قرآن کریم مراد ہے اور پھر ضمیر کو مفرد لانے کی وجہ اقول یہ بیان کی ہے کہ چونکہ نور اور کتاب میں سے ایک ہی چیز مراد ہے جو قرآن کریم ہے۔ اس لیے ذات کے متحد ہونے کی وجہ سے ضمیر مفرد ہے اور یا اس لیے ضمیر مفرد ہے کہ دونوں یعنی کتاب اور نبی ہدایت اور روشنی کا ذریعہ ہیں یا باعتبار مذکور کے ضمیر مفرد آئی ہے اور اکثر مفسرین کرام نے یہی مطلب لیا ہے جو علامہ ابوالسعود نے بیان فرمایا ہے۔ مؤلف مذکور کو غور کرنا چاہیے کہ علامہ ابوالسعود کی تفسیر سے ان کو کیا فائدہ حاصل ہوا اور اس سے ہمیں کیا نقصان ہوا۔ کیا علامہ ابوالسعود نے وہی کچھ نہیں فرمایا جو ہم نے کہا ہے ؟

تیسرا اعتراض | آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ جب ضمیر واحد ہے تو مرجع بھی واحد ہونا چاہیے، تو چلیے یہی سہی، لیکن یہ کب ضروری ہے کہ اگر مرجع واحد ہو تو نور اور کتاب میں دونوں سے مراد قرآن ہو، یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ دونوں سے مراد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہو اور یہی جواب ملا علی القاریؒ نے شرح شفاء میں اور علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں دیا ہے۔ جسے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔ (توضیح البیان ص ۱۴۷)

الجواب | الفاظ سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ کتاب میں سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہو، جیسا کہ نور سے بھی مراد آپ کی ذات مقدسہ ہے اور چونکہ ذات ایک ہے اور تغایر لفظی ہے، لہذا ضمیر مفرد لائی گئی ہے۔ سو عرض یہ ہے کہ مؤلف مذکور کو شاید کسی لائق اور فنی استاد نے یہ بتایا ہو کہ لفظ بعض کی جب جمع کی طرف اضافت ہوتی ہے، تو اس سے اکیلا دو کیلہ ہی مراد ہوتی ہے نہ کہ اکثریت۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کریم کے سیاق و سباق اور دیگر دلائل متواترہ اور براہین قطعیہ اور جمہور مفسرین کرام کی رائے کو ترک کر کے اکیلے دو کیلے مفسرین کے قول پر عقیدہ کی عمارت کیسے کھڑی کی جاسکتی ہے۔ یہی ہو گا کہ تفسیر کے طور پر ایک تفسیر بعض سے یہ بھی منقول ہے اور ید اللہ علی الجماعۃ

کے زیرِ اصول اور ضابطہ کو چھوڑ کر شاخہ اور فازہ کے پیچھے پڑنا دین کی کون سی خدمت ہے اسی طرح علامہ آلوسیؒ نے صرف ایک احتمال کے درجے میں یہ تفسیر نقل کی ہے وَلَا يُعْلَدُ اَنْ يَرَادَ بِالنُّوْرِ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَجَّ (ترجمہ: اور بعید نہیں کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے بنی علیہ السلام کی ذاتِ مقدسہ مراد ہو) آپ خود ہی انصاف سے فرمائیں کہ کیا محض ایسے احتمالات سے دین کا کوئی بنیادی مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے؟ یا اس طرح کے احتمالات پر عقائد کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے؟ ایسے احتمالات کا اگر دین کے اصول و ضوابط سے ٹکراؤ نہ ہو تو قبول کیے جاسکتے ہیں بصورتِ دیگر وہ خود قابلِ تاویل ہوتے ہیں۔ یہ بھی نہ ہو تو مردود ہوتے ہیں۔ بقول قلندر لاہوریؒ۔

سے اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

یہ تھا اعتراض | تفسیر کبیر میں امام فخر الدین لازمی اسی آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

وفیہ اقوال (الاول) ان المراد	اور اس آیت میں کئی اقوال ہیں پہلایہ
بالنور محمد و بالکتاب	کہ بے شک نور سے مراد محمد صلی اللہ
القرآن (والثانی) ان المراد	علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے قرآن کریم
بالنور الاسلام و بالکتاب القرآن	دوسرا یہ کہ نور سے اسلام مراد ہے اور
الثالث) النور والکتاب	کتاب سے قرآن، تیسرا یہ کہ نور اور
هو القرآن و هذا ضعیف	کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہو
لان العطف یوجب	اور یہ کمزور بات ہے کیونکہ عطف تنایہ
المغایۃ۔	کو چاہتا ہے۔

اب غالباً مولوی سرفراز صاحب کو پتہ چل گیا ہو گا کہ جس قول پر انہوں نے اپنے عقیدے کی عمارت کھڑی کی ہے۔ وہ تیسرے درجے کا قول ہے جس کو امام لازمیؒ نہایت کمزور قرار دیتے ہیں۔ (توضیح البیان ص ۱۲۲)

گزارش ہے کہ اگرچہ امام رازیؒ نے اس کو صرف کمزور کہا ہے (نہایت کمزور) **الجواب** | نہیں فرمایا، لیکن دیگر جمہور مفسرین کرامؒ اسی کو قوی و مختار قرار دیتے ہیں۔ جن میں علامہ ابوالسعودؒ بھی ہیں جن کی عبارت عرض کی جا چکی ہے اور امام رازیؒ نور سے اسلام بھی مراد لے رہے ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ص ۱۸۹) آپ ان کی اس قوی تفسیر کو کیوں نظر انداز کرتے ہیں۔

پانچواں اعتراض | مولوی غلام رسول سعیدی صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے پر کئی اقوال نقل کرتے ہیں اور عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ دیکھو یہ تمام مفسرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور مان رہے ہیں اور مولوی سرفراز حضورؐ کے نور ہونے کا انکار کرتا ہے، چنانچہ ان کے اقوال پورے پورے نقل کرنے کے بجائے صرف حوالوں پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہوں توضیح البیان ص ۱۴ اور ص ۱۴۱ میں حضرت امام رازیؒ اور حضرت ملا علی نقاریؒ اور علامہ آلوسیؒ سے یہ نقل کرنا کہ نور سے آپؐ کی ذات بھی مراد ہو سکتی ہے، بلکہ بقول علامہ آلوسیؒ آپؐ نور الانوار ہیں اور ص ۱۴۱ میں اس تفسیر کو قیادۃً اور زجاج سے نقل کرنا اور اس کو ان کا مختار قرار دینا اور ص ۱۴۱ میں تفسیر جلالین اور صادی اور ابوالسعود سے یہ نقل کرنا کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے اور اسی طرح ص ۱۴۱ میں تفسیر بیضاوی، خازن اور نسفی سے اور ص ۱۴۱ میں روح البیان کے حوالے سے یہ نقل کرنا کہ نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ص ۱۴۱ میں ابوالسلک ص ۸۶ کے حوالے سے اور مولانا تھانویؒ کے رسالہ النور ص ۳ کے حوالے سے اور مولانا عثمانیؒ کے تفسیر کے حوالے سے یہ نقل کرنا شاید نور سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے اور پھر ص ۱۴۱ میں رسالۃ التوسل ص ۵ اور قاضی عیاضؒ کی شفاع ص ۱ سے اور ص ۱۴۱ میں حضرت ملا علی نقاریؒ کی شرح شفاء ص ۱۲ سے اور پھر تفسیر خازن ص ۱۵۵ میں تفسیر کبیر کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نور اور سراج منیر ہونے کے حوالے نقل کرنا وغیرہ وغیرہ۔ !

الجواب | یہ حوالے سب برحق ہیں اور ان میں کوئی ایک حوالہ بھی ہمارے خلاف نہیں ہے، بلکہ سب ہمارے مؤید ہیں۔ مؤلف مذکور نے اپنے ناخواندہ حوالہ یوں پر محض اپنا علمی رعب ڈالنے کے لیے یہ غیر متعلق حوالے نقل کر کے کتاب کا حجم خواہ مخواہ بڑھایا ہے، اس کا کون سا مسلمان منکر ہے؟ ہم خود قد جَاءَ كُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ الْإِيمَانِ کی یہ تفسیر نقل کرنے کے بعد کہ ان دلائل وقرائن کے تحت نور سے قرآن کریم مراد ہے اور عطف تفسیری ہے، مگر دوسری تفسیر کو بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ تنقید متین ص ۱۱۱ میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مفسرین نے نور و کتابت میں میں نور سے قرآن مراد لی ہے۔ ہاں بعض نے نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدس ہستی بھی مراد لی ہے، لیکن وہی مفسرین کرامؒ اپنی تفسیروں میں دوسرے مقامات پر آپ کی بشریت و انسانیت کا کھلے افظوں اقرار کرتے ہیں، تو اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ بشر آدمی اور انسان ہوتے ہوئے نور تھے، جیسا کہ ہم نے ابتدا میں عرض کیا ہے۔ الخ قارئین کرام ہماری طرف سے اتنی اور ایسی واضح تصریح کے بعد مؤلف مذکور کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کے حوالے پیش کرنے سے ان کو کیا فائدہ ہے اور ہمیں کیا نقصان ہے؟ اکثر مفسرین کرامؒ نے اس مقام پر نور سے قرآن کریم ہی مراد لی ہے۔ اگر اس بارے میں مؤلف مذکور کو شبہ ہو تو کتب تفسیر بھی موجود ہیں اور انشاء اللہ العزیز قلم بھی موجود ہے اور یہ اکثر دہشت گرد مفسرین کرامؒ اہل سنت والجماعت ہی سے متعلق ہیں، سوا اصول عربیت کے تحت اس تفسیر میں ان کے ساتھ بعض معتزلہ بھی شریک ہیں۔

۱

چھٹا اعتراض | مولوی غلام رسول سمیعی صاحب توضیح البیان میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کی نفی کرنے والے معتزلہ ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر میں مرقوم ہے۔

وقال ابو علی الحیاتی عسی ابوعلی جبائی نے کہا نور سے مراد قرآن کریم

بالنور القرآن لکشفہ و ہے۔ کیونکہ وہ حقائق کا کشف و بیان
اظہار و طرق الہدی والیقین و ہدایت کے طریقوں کو ظاہر کرتا ہے
واقصر علی ذلک الزمخشری اور زمخشری نے اسی تفسیر پر اکتفاء کیا ہے

اور زمخشری صاحب کشف کا کیا مذہب ہے۔ نیز اسی ص ۲۵ میں ہے وکان
صاحب الکشف یکتی لنفسه ابا المعنزلہ صاحب کشف نے اپنی کنیت
ابو معنزلہ رکھی تھی۔ نیز اس ص ۲۹ پر ابو علی جانی کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے۔ ابی علی جانی ہو
محمد ابن عبد الوہاب من معنزلہ بصرقہ۔ ابو علی جانی کا نام محمد ابن عبد الوہاب
تھا اور وہ معتزلہ بصرہ سے تھا۔ نیز اس کے ان حوالوں سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ ابو علی جانی
اور زمخشری دونوں معتزلہ تھے اور روح المعانی کی عبادت سے واضح ہو گیا کہ یہی معتزلہ
نورانیت نبی کا انکار کر کے نور کا قرآن میں انحصار کرتے ہیں۔ (توضیح البیان ص ۱۵۵ و ص ۱۵۶)
مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب کی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ
الکتاب | و سلم کی نورانیت کی نفی کرنے والے معتزلہ میں غلط ہے کیونکہ قَدْ جَاءَ
كُفْرٌ مِنَ اللَّهِ نُورٌ سے قرآن کریم مراد لینا معتزلہ کا نظریہ نہیں، بلکہ اہل سنت والجماعہ
نے بھی نور سے مراد قرآن لیا ہے۔ چنانچہ امام ناصر الدین ابی النجیر عبد اللہ بن عمر البیضاوی رحمہ
(المتوفی ۷۹۱ھ) قَدْ جَاءَ كُفْرٌ مِنَ اللَّهِ نُورٌ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یعنی القرآن فانما الکاشف
لظلمات الشك والضلال
والکتاب الواضح الاعجاز
وقیل یرید بالنور محمد
صلی اللہ علیہ وسلم۔

(تفسیر بیضاوی ص ۲۱ طبع مصر)

امام بیضاوی کی اس تفسیر سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ نور سے مراد قرآن کریم

ہے اور دوسری بات یہ کہ بعض نے نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مراد لیے ہیں۔ اگر نور سے قرآن کریم مراد لینا مستنزلہ کا مسلک ہے، تو کیا امام بیضاوی بھی مستنزلہ میں شامل ہیں۔ ان پر بھی مستنزلہ ہونے کا فتویٰ صادر فرمائیے۔ امام بیضاوی کی اس تفسیر سے ہماری تائید ہوتی ہے۔ وہی یہ بات کہ بعض لوگوں نے نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مراد لیے ہیں۔ اس کے ہم بھی بالکلیہ منکر نہیں، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، کیونکہ جن مفسرین نے نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیے ہیں، تو ان کے نزدیک بھی یہ نور ہدایت کے معنی میں ہے اور انہوں نے بشریت کا انکار بھی نہیں کیا۔ ضرورت تو نہیں کہ اس پر اور بحث کی جائے، مگر ایک دو حوالے مزید پیش کیے جاتے ہیں ملاحظہ ہوں۔ امام محمد بن یوسف الشہیر بانی حیات الاندلسی الفرائدی (متوفی ۳۵۸ھ) اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

قیل القرآن سماہ نور البکشف کما گیا ہے کہ وہ قرآن ہے۔ نام رکھا ہے
ظلمات الشرک والشک اس کا نور اس لیے کہ وہ شرک اور شک
اولانہ ظاہر الاعجاز الخ کی تاریکیوں کو کھولنے والا ہے یا اس
(تفسیر البحر المحیط ص ۲۲۸ طبع بیروت) لیے کہ وہ واضح اعجاز ہے۔

اور علامہ شیخ محمد عبدہ مصری (متوفی ۱۲۳۵ھ) بھی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ
فی المراد بالنور هنا مشاۃ نور سے مراد اس جگہ تین قول ہیں ایک
اقوال احدها انه النسبی یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرا
صلی اللہ علیہ وسلم ثانیہا یہ کہ اسلام ہے اور تیسرا یہ کہ قرآن کریم
انه الاسلام ثالثها انه ہے۔
القرآن الخ۔ (تفسیر المنار ص ۳۴۳)

ناظرین کرام! ہم نے تین حوالے پیش کر دیے ہیں کہ نور سے مراد قرآن کریم ہے اور یہی تفسیر زیادہ راجح ہے۔ سیدی صاحب کا یہ کہنا کہ یہاں سے قرآن مراد لینا مستنزلہ کا مذہب ہے۔ ایک صریح جھوٹ سے زیادہ کوئی دقت نہیں رکھتا کیونکہ اہل حق کے مفسرین نے

بھی قرآن مراد لیا ہے۔ روح المعانی کی جو عبارات انہوں نے پیش کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت سے صرف اور صرف قرآن کریم ہی مراد لیا جاسکتا ہے اور کوئی چیز مراد نہیں لی جاسکتی۔ علامہ آلوسیؒ اس بات کی تردید کر رہے ہیں کہ معتزلہ نے اس آیت کی تفسیر کو اس میں منحصر کر دیا اور یہ بات ہم بھی تسلیم نہیں کرتے کہ اس آیت کی اور کوئی تفسیر نہیں ہو سکتی، ہم یہ کہتے ہیں کہ راجح تفسیر قرآن کریم مراد لینے والی ہے، کیونکہ مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال بیان کیے ہیں جیسا کہ سیدی صاحب نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ معتزلہ نے قرآن ہی کو اس تفسیر میں منحصر کر دیا ہے۔ (فیاض)

دوسری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کی دوسری دلیل یوں پیش کی گئی ہے کہ امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھے خبر دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ

يا جابر ان الله قد خلق
قبل الاشياء نور نبينا
من نوره - الحديث
اے جابر بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام
اشیاء سے پہلے میرے نبی کا نور اپنے نور
(کے سبب) سے پیدا کیا ہے۔

(زرقانی شرح مواہب چچ و نشر الطیب)

الجواب اس روایت سے آپ کے نور ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، لیکن یہ احتجاج درست نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس کی سند کا علم نہیں کہ کیسی ہے اور امام عبد الرزاق شیعہ تھے گو عالی نہ تھے، مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد ہیں۔ ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا (تذکرۃ الحفاظ ص ۳۳۱) اور خصوصاً فضائل کے بارے میں تو انہوں نے ایسی روایات بھی بیان کی ہیں۔ جن میں ان کا ساتھ کسی نے نہیں دیا، چنانچہ ملک المنظر البکر بن ایوب الحنفی (المتوفی ۳۵۰ھ) لکھتے ہیں کہ

قال ابن عدی حدیث عبدالرزاق (حدیث) ابن عدی کہتے ہیں کہ عبدالرزاق
 باحدیث فی القصائل لہ نے فضائل کے باب میں ایسی روایات
 یوافقہ احد علیہا الخ بھی بیان کی ہیں جن میں ان کی کسی نے
 (السم المصیب ص ۱۳) موافقت نہیں کی۔

اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ علامہ محمد طاہر الحنفی (المتوفی ۱۲۹۶ھ) لکھتے ہیں کہ

عبدالرزاق بن ہمام آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور ان کے بھانجے احمد بن عہد اللہ
 نے ان کی کتابوں میں باطل روایتیں بھی داخل کر دی تھیں جس کی وجہ سے وہ کاذب مشہور
 ہو گئے تھے (قانون الموضوعات ص ۲۱۲) یعنی خارجی طور پر ان کے بھانجے کی کارستانی اور بالائی
 کی وجہ سے یہ نظریہ بعض لوگوں نے ان کے بارے میں قائم کر لیا تھا، ورنہ ذاتی طور پر وہ ثقہ
 اور ثبت تھے و ثانیاً مصنف عبدالرزاق کتب حدیث کے طبقہ ثانیہ میں شمار ہے اور
 اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں کہ
 و اکثر ان احادیث معمول بہ نزد اس طبقہ کی اکثر احادیث پر فقہاء کرام
 فقہاء نشدہ اند بلکہ اجماع برخلاف کے نزدیک عمل نہیں ہوا، بلکہ ان کے
 انہا منعقد گشتہ (عجالتہ نافذہ ص ۱) خلاف اجماع منعقد ہوا ہے۔ !

یعنی اس طبقہ کی سب ہی روایات بے بنیاد نہیں، بلکہ اکثر ایسی ہیں خصوصاً جو قرآن
 کے خلاف ہیں۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی (المتوفی ۱۳۴۳ھ) مصنف عبدالرزاق کے
 بارے میں لکھتے ہیں کہ اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ ساتھ موضوع حدیثیں
 تک موجود ہیں اور فضائل و مناقب میں ان کی روایتوں کا کم اعتبار کیا جاتا ہے۔ اس لیے اصولی
 حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں پس و پیش ہے۔ اس تردد کو قوت اس سے
 اور زیادہ ہوتی ہے کہ صحیح احادیث میں مخلوقات الہی میں سب سے پہلے قلم میں تقدیر کی
 پیدائش کا تصریحی بیان ہے کہ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ (سیرت النبی ص ۱۱) و ثانیاً
 یہ روایت اس صحیح روایت کے خلاف ہے جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان اول ما خلق الله القلم فقال له اكتب۔ الحديث (البوداؤد ص ۲۹۱ و طيا لسی ص ۱۶۷ و ترمذی ص ۱۶۷ و قال حسن صحیح غریب و البدایۃ و النہایۃ ص ۵ و قال الخرجۃ احمد)

حافظ ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ

و النوار د فی اؤل ما خلق الله حدیث اؤل ما خلق الله القلم وهو ثبت اور ہے، وہ اؤل ما خلق الله

(بحوالہ موضوعات کبیر ص ۳۱) انقلبو ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم تقدیر پیدا کیا ہے جب صحیح روایت سے قلم کی ادلیت ثابت ہے، تو بلاوجہ اس کو بجائے اؤل حقیقی کے اؤل اضافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں ہے اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ نے جہاں اؤل المخلوقات کی تحقیق و بحث کی ہے، وہاں قلم عرش اور عقل وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے، مگر نور کا ذکر وہ نہیں کرتے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ نور والی روایت ان کے نزدیک ثابت نہیں، درہد انتکات کے مقام پر تو ضرور اس کا تذکرہ کر دیتے۔ ہاں ملا علی القاری نے مرقات ص ۱۲۱ اور جمع الوسائل میں اؤل مخلوقات آپ کا نور ذکر کیا ہے، لیکن خود ان کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ نور سے مراد روح ہے۔ درالبغاء جس طرح روایت میں آپ کے نور کی ادلیت کا ذکر آتا ہے۔

اسی طرح روح مبارک کی اولیت کا ذکر بھی ہے، چنانچہ حضرت ملا علی القاریؒ الحنفی فرماتے ہیں کہ

فانه كما قال صلى الله عليه وسلم اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ رُوحِي وَسَائِرَ الْأَرْوَاحِ اِنَّمَا خَلَقَ بِبِرْكَةِ رُوحِهِ وَنُورِ وَجُودِهِ اهـ
پس بے شک جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی اور باقی تمام ارواح آپ کی روح اور آپ کے وجود کے نوری برکت سے پیدا ہوئے۔
(شرح الشفاء ص ۱۱ طبع مصر)
اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

قوله اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُورِي وَفِي رِوَايَةٍ رُوحِي وَمَعْنَاهُمَا وَاحِدٌ فَانَ الْأَرْوَاحَ نُورَانِيَّةٌ اَيَّ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ مِنْ الْأَرْوَاحِ رُوحِي اَنْتَهَى
آپ کا ارشاد ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ میری روح پیدا کی اور دونوں کا مطلب ایک ہی ہے کیونکہ ارواح نورانی چیز ہے تو مطلب یہ ہوا کہ سب ارواح سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُورِي کی روایت آتی ہے اسی طرح اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ رُوحِي کی روایت بھی آتی ہے اور نور سے روح مراد ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایک نورانی چیز اور جوہر لطیف ہے جو پورے بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے اور علامہ احمد بن محمد الحنفیؒ (المتوفی ۶۹۹ھ) لکھتے ہیں کہ

ان الله خلق روحه قبل سائر الارواح وخلق عليها خلعة التشريف بالنبوة
بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح مبارک کو تمام ارواح سے پہلے پیدا کیا اور اس کو خلعت نبوت سے مشرف کیا۔

الٰہی ان قال و ہذا ہوا المراد
بقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم ان اللہ خلق نورہ
قبل ان یخلق آدم علیہ
الصلوٰۃ والسلام الخ

پھر آگے فرمایا کہ اور یہی مراد ہے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ
بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم
علیہ السلام کی خلقت سے پہلے آپ کا
نور پیدا کیا۔

(نسیم الریاض ص ۲۰۱ طبع مصر)

غالباً انہی حوالوں کے پیش تطرکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے نور محمدی
کا مطلب روح محمدی (علی صاحبہ الف الف تھیہ) بیان کیا ہے (حاشیہ نشر الطیب ص ۵)
اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے، جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحب نے مدارج النبوة ص ۱۱ میں
دعویٰ کیا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں، لہذا اس کے ماننے
میں کوئی حرج نہیں، ہاں اس سے نصوص قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت آدمیت
اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہل بدعت کا طریقہ ہے قطعاً غلط اور سرسری بنیاد
ہے۔ ہماری تحقیق کی روش سے مسئلہ حاضر و ناظر، علم غیب اور نور وغیرہ اہل بدعت نے شیعہ سے
لیا ہے، مگر خود شیعہ کی معتبر و مستند کتاب اصول کافی میں تصریح ہے کہ نور سے مراد روح
ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔

قال اللہ تبارک و تعالیٰ یا محمد
انی خلقتک و علیاً نوراً یعنی
روحاً بلا بدن ۱۱

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے
تجھے اور علی رضی اللہ عنہ کو نور پیدا کیا

(اعمال کافی مع الصافی ص ۱۲۱ حصہ دوم طبع مکتبہ) یعنی روح بلا بدن۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ کے نزدیک بھی نور سے مراد روح ہے۔ الغرض اس روایت
کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا (جس کا شہوت نصوص قطعیہ سے ہے)
انکار کرنا بالکل مردود ہے۔ !

اور بھی متعدد الفاظ آپ کے نور ہونے کے مضمون کے مراد ہیں، مثلاً یہ کہ
فائدہ | اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي اَنَا مِنْ نُورِ اللَّهِ بِلِ مَوْمِنُونَ مَعِيَ اِنَّ اللَّهَ
 لَمَّا خَلَقَ نُورَ نَبِيٍّ اَمْرَهُ اَنْ يَنْظُرَ اِلَى النُّوَارِ الْاَنْبِيَاءِ الْخِ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ
 اَدَمَ جَعَلَ ذَلِكَ النُّورَ فِي ظَهْرِهِ الْخِ مَكَرُ كُنِيَ يَحْيَى صَحِيحٌ نَحْنُ - مِنْ اَدْعَى
 صَحَّتْهَا فَعَلِيهِ الْبَيَانُ بِالْبَرْهَانِ !

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چہرے کے نور سے ایک مٹھی لی
 پھر آگے لکھا کہ وہ مٹی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ اسی سے سارا جہاں پیدا
 ہوا اور یہ کہ آپ اپنے والدین کی خلقت سے پہلے ہی موجود تھے اور آپ جبریل علیہ السلام
 کی آمد سے پہلے ہی قرآن کے حافظ تھے۔ اس روایت کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ اور
 حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ حُكْلٌ ذَلِكَ كَذِبٌ صَفْوَى بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِحَدِيثِهِ
 اَلْاَتَمِّ (اُتْمَارُ الْمَرْفُوعَةِ ص ۲۷) مولانا عبدالحی لکھنویؒ) یہ سب کاسب جھوٹ اور افتراء ہے۔
 علم حدیث کے جاننے والوں کا اس پر اتفاق ہے اور ایک روایت میں آتا ہے خَلَقَنِي اللَّهُ
 مِنْ نُورِهِ وَخَلَقَ اِبْرَاهِيْمَ مِنْ نُورِهِ الْخِ لیکن اس کی سند میں احمد بن یوسف
 المسیبی ہے، علامہ ابوالحسن علی بن محمد الکسائی (المتوفی ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابو نعیم
 فرماتے ہیں کہ هَذَا بَاطِلٌ، اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ هَذَا كِتَابٌ رَقَنَزِيْلُهُ الشَّرِيحَةُ
 الْمَرْفُوعَةُ ص ۳۳) اِنْ بَاطِلٌ اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا
 مصیبت پڑی ہے کہ وہ قرآن پاک کے نصوص قطعیہ اور صحیح و متواتر احادیث کی تاویل بجا
 کریں اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوں اور آتش دوزخ کا ایندھن
 بنیں۔

ناظرین کرام! ہم نے فریق مخالف کی دلیل ثانی یعنی حدیث جابرؓ کے
مسئلہ اعتراض | جواب میں جو بات عرض کی ہے، وہ اپنی جگہ بالکل صحیح اور واضح
 ہے، مگر ہمارے اس جواب پر بھی فریق مخالف نے اعتراضات کیے ہیں۔ ہم ان کو یہاں

نقل کر کے بالترتیب ان کے جوابات بھی نقل کرتے ہیں۔

مولوی غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں۔

حدیث جابرؓ کو جن اکابر علماء اہل سنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا، ان کا یہاں پر ذکر کیا جاتا ہے۔ اگر یہ روایت ضعیف ہوتی یا قابلِ عمل نہ ہوتی، تو یہ اکابر علماء اپنی کتابوں میں اسے کیوں نقل کرتے مثلاً جنہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ یہ ہیں، امام احمدؒ کے استاد اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاذ الاستاد، امام عبد الرزاقؒ اپنی تصنیف میں اور امام بیہقیؒ دلائل النبوة میں حضرت جابرؓ سے مرفوعاً قل خلق قبل الاشياء نود نبيك من نودہ الحديث روایت کرتے ہیں اور امام قسطلانیؒ مواہب اللئیم مقصد اقل میں اور امام فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کا ارادہ مخلوق کو پیدا کرنے کا اور اس کے رزق مقرر کرنے کے ساتھ متعلق ہوا، تو اس نے حقیقت محمدیہ کو صمدی انوار بارگاہ احدیت میں ظاہر فرمایا الخ اور اس کی شرح میں امام زرقانیؒ شرح مواہب میں اور امام فرماتے ہیں کہ

اور جزا ایں نیست کہ حقیقت محمدیہ ہی تمام حقائق کی حقیقت ہے، کیونکہ حقیقت محمدی کا ثبوت خلقِ دسلیمہ میں ہے جو عین نور احمدی ہے جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔ امیر عبدالغادر الجزیری الحنفی اپنی کتاب مواقف کے موقف نمبر ۸۹ میں فرماتے ہیں کہ بلا ریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وہ رحمتِ عظمیٰ ہے جس نے ہر شئی کا احاطہ کر لیا ہے الی قولہ اور بالمحققین حدیث شریف میں وارد ہوا کہ اے جابر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نبی کے نور کو پیدا کیا اور سید عبد الکریم جلی ناموس اعظم کی کتاب النور باب اول میں یہ فرماتے ہیں، اے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سعادتِ کبریٰ اور تمام لوگوں کے لیے ظاہری و باطنی نمونہ بنا کر پیدا فرمایا اور وجود میں آپ کا مرتبہ اللہ نے سب سے پہلے رکھا جس کے اوپر اور کوئی مرتبہ نہیں ہے اور شیخ عبد اللہ البرسنوی مطالع النور السنی کے مطلع اول میں فرماتے ہیں کہ یاد رکھو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اسماء اللہ کے آثار کے ظہور

سے بارگاہِ الہمیت کی تجلیات کی مسرقت کراتے تو اس نے سب سے پہلے درجِ محمّدی کو جامعِ صودت پر پیدا کیا۔ الٰہی قولہ یہاں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا، تو آپ نے فرمایا اسے جابر وہ تیسرے نبی کا نور ہے، جس کو اللہ نے اپنے نور کے سبب سے پیدا فرمایا۔ الخ مدارج النبوة میں شیخ عبدالحق ٹھہراتے ہیں بہر کیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود میں اقل ہونا پس وہ اس لیے ہے کہ پہلی وہ چیز جس کو اللہ نے پیدا کیا، وہ میرا نور ہے اور نبوت میں اقل ہونا اس لیے ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی زمین پر افتادہ تھے۔ ان اکابرین کے علاوہ امام ابن حجر مکیؒ، علامہ فارسیؒ، علامہ دیلمیؒ، سیدی عبدالحقؒ، تاج الدینؒ، امام ابو الحسن اشعرؒ وغیرہم نے بھی اس مضمون کو اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے اور اس پر اقطارِ اعتماد و قیاس (محمد توحید علیان مدظلہ) مؤلف مذکور کی یہ ساری کاوش بے سود ہے، ادلاً اس لیے کہ اس روایت کا مدار امام عبد الرزاقؒ کی سند پر ہے اس کے بعد مؤلف مذکور اس روایت کے بارے میں امام بیہقیؒ کی دلائلِ النبوة کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ ان کا خیر فیض تھا کہ امام عبد الرزاقؒ اور امام بیہقیؒ کی سند اور اس کے ردات کتبِ اسما و الرجال سے باحوالہ نقل کر کے قرطبیؒ نقل کرتے تاکہ ہمارے اس اعتراض کا جواب ہو جائے کہ اس کی سند کا علم نہیں کہ کیسی ہے اور امام عبد الرزاقؒ شیعہ تھے گو غالی نہ تھے مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد ہیں۔ ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا اور امام ابن عدیؒ کے حوالہ سے ہم نے لکھا ہے کہ عبد الرزاقؒ نے فضائل کے باب میں ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کی کسی نے موافقت نہیں کی اور ان کے بھائی احمد بن عبد اللہ نے ان کی کتابوں میں باطل روایتیں بھی داخل کر دی تھیں اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے امام عبد الرزاقؒ کی مصنف کو طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے اور اول مطلق اللہ القلم کی صحیح روایت اس کے خلاف ہے۔ آپ ہی کے اعلیٰ حضرت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔ حدیث ماننے اور حضور اکرمؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لیے ثبوت

چاہیے۔ بے ثبوت نسبت جائز نہیں الخ (عرفان شریعت حصہ سوم ص ۱۲) اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ بغیر سند کے اور اس کے روایت کی توثیق کے حدیث کا ثبوت نہیں ہو سکتا؟ ہم نے جو حدیث ادل خلق اللہ القلم پیش کی ہے۔ ابو داؤد اور ترمذی کا حوالہ دے کر جو صحاح ستہ کی مرکزی کتابیں ہیں ساتھ تصحیح بھی نقل کی ہے، لہذا اس کے مقابلہ میں یہ روایت جس کی سند ہی معلوم نہیں کیا حیثیت رکھتی ہے؟ خان صاحب بریلوی ہی تحریر کرتے ہیں کہ بعض جناب بدست یا نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی یا بدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابلہ میں بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعہ یا مشابہہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصد ابے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف متعین کے آگے محتمل محکم کے حضور منشاہ واجب التکرار ہے الخ (احکام شریعت حقہ ادل ص ۱۲)

دعاً ثانیاً یہ بیشتر حوالے مؤلف مذکور نے اپنے اعلیٰ حضرت کی کتابوں مثلاً نفی الغیٰ اور صلات الصفا وغیرہ سے نقل کیے ہیں اور خان صاحب صلات الصفا ص ۱۲ میں اس روایت کو امام عبد الرزاق اس کے مصنف کی طرف منسوب کرتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ امام ابی یزیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاد اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاثنا حافظ الحدیث احد الاعلام عبد الرزاق ابو بکر بن ہمام نے اپنی مصنف میں حضرت سیدنا داہن سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی الخ کتاب مصنف عبد الرزاق طبع ہو چکی ہے۔ ہم مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے نہایت ہی مشکور ہوں گے کہ وہ یہ روایت مصنف سے ہمیں بتادیں اور ان کے اعلیٰ حضرت ہی صلات الصفا ص ۱۲ میں لکھتے ہیں کہ۔

یہ حدیث امام بیہقی نے بھی دلائل النبوة میں بخود روایت کی الخ اس سے معلوم ہوا کہ امام بیہقی کی نقل کردہ روایت کے الفاظ البینا وہ نہیں جو امام عبد الرزاق کی روایت کے ہیں، اور نہ ان کے اعلیٰ حضرت بخود نہ کہتے بشلہ کہتے (کیونکہ محدثین کرام کے نزدیک جب روایت بالمعنی ہو تو اس موقع پر وہ ادکا قال ادخوہ اور شبہہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص ۲۱۲ وغیرہ) اور چونکہ اس روایت میں مرکزی الفاظ نور کے ہیں۔ اس لیے

خان صاحب کے بخوہ کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دلائل النبوة للبیہقی کی روایت میں شاید یہ لفظ نہیں ہیں۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خان صاحب نے اس کے الفاظ نقل نہیں کیے، ورنہ وہ ایسے موقع پر ان کو کبھی نظر انداز نہ کرتے۔ بہر حال اصل حقیقت تو دلائل النبوة کی روایت کے الفاظ اور اس کی سند سامنے آنے ہی سے واضح ہو چکی ہے ویسے نہیں۔

دلائل موقف مذکور نے بعض بزرگوں سے اس مضمون کی اجمالاً و تفصیلاً کچھ عبارات نقل کی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سب سے پہلے پیدا ہوا اور اس لحاظ سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے کہ ان بزرگوں نے اس سے استدلال کیا ہے اور علامہ ابو سنوئی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے روح محمدی کی خلقت ہوئی، لیکن ان تمام حوالوں سے ان کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ حدیث کی صحت اتصال سند اور اس کے روایت کے ثبوت ہونے سے ثابت ہوتی ہے محض اس کو نقل کرنے سے اس کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی کہ لا یخفی اور نہ صرف نقل کرنے سے اخبار ائمہ و متہدین بے خصوصاً ان حضرات کی نقل جو محض صوفی اور بزرگ ہیں اور فن حدیث کی پرکھ اور نقد و جرح کی مہارت ان کو نہیں، علاوہ ازیں ہم نے تنقید حسین ص ۱۲۹ تا ۱۳۱ میں باحوالہ یہ بات تحریر کی ہے کہ نور محمدی سے روح محمدی مراد ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ نور محمدی کا مطلب روح محمدی ہے۔ الی قولہ اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالحی صاحب نے مدارج النبوة ج ۱ میں دعویٰ کیا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں، لہذا اس کے منسبے میں کوئی حرج نہیں، ہاں اس سے نصوحن قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت، آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہل بدعت کا دعوہ ہے قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے۔ افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے نہ تو ہماری یہ عبارت نقل کی ہے اور نہ اس کا حوالہ دیا ہے۔ جواب دینا تو درکنار رہا، حالانکہ علمی طور پر ان پر لازم تھا کہ ہماری اس عبارت کا حوالہ دیتے، مگر ان کو دیانت و انصاف سے کیا واسطہ؟ ان کو تو اپنے حواریوں سے سستی شہرت کی داغ بیل کھانا ہے اور اہل حق کے خلاف اپنے دل کا اقبال نکالنا ہے اور بس۔

الفرض ہمارا یہ اعتراض کہ اس حدیث کی سند اور روایات کی توثیق معلوم نہیں بدستور باقی ہے اس کا ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا جاسکا۔ ادھر ادھر کی باتیں کر کے اور غیر معصوم اقوال و عبارات اور غیر متعلق حوالے نقل کر کے ان کا جواب تصور کر لینا، طفل قتل کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس حدیث کی بحوالہ سند اور روایات کی کتب اسماء الرجال سے توثیق مطلوب ہے۔
وَدُونَهُ خُرُطُ الْاُفْتَادِ۔

دوسرا اعتراض مولوی غلام رسول سعیدی صاحب نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ آپ دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ اول خلق حضور علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ اول خلق قلم ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

اولیت اضافی کا جواب (۱) سرفراز صاحب نے حدیث جابرہ کو رد کرنے کے لیے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ حضور اول خلق نہیں، موضوعات کبیر میں ہے کہ قلم اول خلق ہے تنقید صلا میں ہے کہ اس صحیح روایت میں معلوم ہوا کہ سب سے پہلے قلم تقدیر پیدا کیا گیا تو بلا وجہ قلم کے اول حقیقی ہونے کے بجائے اول اضافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں۔

(۲) مولوی صاحب نے دلی زبان سے اعتراف کیا ہے کہ مرقات ج ۱ ص ۱۲۹ اور جمع الوسائل میں اول مخلوقات میں آپ کے نور کا ذکر ہے اور خود ان کتابوں میں تصریح ہے کہ نور سے روح مراد ہے مولوی صاحب کو معلوم تھا کہ اگر مرقات کی ایمان افروز عبارت نقل کر دی تو قصر دیوبند منہدم ہو جائے گا اس لیے اس کو دیوالی کی پوریان سمجھ کر صاف منہم کر گئے ہیں جس کو نقل کرنے سے وہ خوف کھاتے ہیں عبارت (کا ترجمہ) یہ ہے ابن حجرؒ نے کہا کہ اول مخلوق کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور خلاصہ یہ ہے جیسا کہ میں نے شرح شمائل ترمذی میں بیان کیا ہے کہ بالیقین اول مخلوقات وہ نور ہے جس سے نبی علیہ السلام کو پیدا کیا گیا پھر پانی کو پھر عرش کو۔ ملا علی نقاریؒ کے اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ حضور کی اولیت کو حقیقی قرار دینے میں وہ تنہا نہیں ہیں، بلکہ ابن حجرؒ بھی اس کی تصریح کرتے ہیں اور صاحب الزہار بھی

ایسا ہی کہتے ہیں اور بے شمار جگہ علماء اسلام نے نور محمدی کی ادریت حقیقی پر نفس صریح قائم کی ہے جیسا کہ مابقی میں حوالے گزر چکے ہیں۔

(۳۱) ازہار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مقدار پر کو آسانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا، یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا اس کو مسلم نے روایت کیا اور ابن عباسؓ سے دکان عرش علی الماء کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ عرش تو پانی پر تھا پانی کس چیز پر تھا تو فرمایا کہ ہوا کی پیٹھ پر اسے بہتی دے روایت کیا۔ (پس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا پانی اور عرش کے بعد ہے) اور جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی، وہ نور محمدی ہے جیسا کہ میں نے امور المور للمولد میں بیان کیا ہے۔

(۳۲) شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة ج ۲ ص ۲۷ میں ارقام فرماتے ہیں۔ جان لو کہ اقل مخلوقات اور واسطہ خلق عالم آدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا (پھر آگے اقل خلق میں عقل کا ذکر بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ محققین اور محدثین کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں اور پھر آگے قلم کا ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے) پس معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے پہلے کچھ ہو چکا تھا اور وہ عرش و کرسی اور ارواح تعین اور نور محمدی ان سب سے پہلے پیدا ہوا پس اس تقدیر پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ماکان سے مراد اس نور کے صفات اور احوال ہیں اور مایکون سے مراد وہ امور ہیں جو بعد میں دنیا میں ظاہر ہوں گے۔

میرتلف مذکور لکھتے ہیں کہ ملا علی القادی صاحب ازہار اور شیخ محقق کے اس معتقاد بکلام کو دیکھیے اور مولوی سرخدا صاحب کے مکرور مطالعہ پر تحقیق و آخرین کیجئے، وہ تو عبادت رسول میں بروایت صحیح مسلم دیوانہ وار یہ ثابت کر چکے تھے کہ قلم سب سے پہلے پیدا ہوا اور ثبابت یہ ہو کہ قلم جو تھے ہر پر ہے جب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا اور آپ کے فرمان صریح سے اس کی ادریت انسانی

تائید ہو گئی، لہذا سنجاب کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تردید کی جہالت کیونکر ہوئی کہ قلم کو اول حقیقی کہا کیا آپ کے مذہب غیر مذہب میں فرمان نبوی بھی قابل سماعت نہیں؟ تو یہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا، ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ فکر آخرت کرو اور توبہ کر لو، ورنہ تحقیق رسالت میں سیروں کے حساب سے لکھی ہوئی کتابیں آپ کی لٹیا ڈوبنے کے لیے کافی ہیں اور ان کی فروخت سے جو دنیاوی سکے حاصل کیے ہیں، وہ اس دن کام نہ آسکیں گے۔

(۵) سرفراز صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ نور سے مراد روح ہے جیسا کہ ملا علی القاریؒ نے لکھا ہے ہمیں مفسر نہیں اذلا اس لیے کہ نور ہو یا روح ہو تو مقصد تویہ ہے کہ آپ اول خلق ہیں ذانیاً اس سے آپ کو کوئی نفع نہیں، نفع تب ہوتا کہ نور اور روح میں تباہی ہو، حالانکہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں: آپ کا فرمان کہ سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ میری روح کو پیدا کیا، دونوں کا معنی ایک ہے، کیونکہ ارواح نورانی ہوتی ہیں۔

(۶) سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ نے جہاں اول المخلوقات کی تحقیق اور بحث کی ہے، وہاں قلم عرش اور عقل وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے، مگر نور کا ذکر نہیں کرتے (تنقید ص ۱۱)

جواباً عرض ہے کہ ہم ماستقی میں امام عبد الرزاقؒ، امام بیہقیؒ، امام احمد قسطلانیؒ، امام زرقانیؒ، عبد القادر الجزائریؒ، ملا علی القاریؒ حنفی، شیخ محقق عبد الحق محدث دہلویؒ وغیرہم کا کلام نقل کر چکے ہیں۔ اس میں غور فرمائیجئے کہ یہ اکابر ائمہ اذلیت خلق میں نور محمدی کا ذکر کرتے ہیں یا نہیں؟ برادرات ہے کہ جن کی آنکھوں پر ابلیس نے بغض رسالت کی پٹی باندھ دی ہو، انہیں عبارات میں نور محمدی نظر نہیں آتے گا۔

(۷) سرفراز صاحب حدیث جابرؓ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی سند کا علم نہیں کہ کیسی ہے اور امام عبد الرزاقؒ متبع تھے۔ گو خالی نہ تھے اور بعض چیزوں میں وہ منفرد بھی ہے خصوصاً فضائل کے بارے میں اور ان کا ساتھ بھی کسی نے نہیں دیا۔ (محصلاً تنقید ص ۱۱) محض تشبیہ کی طرف نسبت سے امام عبد الرزاقؒ کی روایت کو ناقابل اعتبار قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اہل بدعت کی روایت کے بارے میں شیخ محقق مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں کہ مختار یہ ہے کہ اہل بدعت کی روایت اگر اس کے مسلک کی تزیین اور ترویج میں ہو تو مقبول نہ ہوگی اور اگر ایسی نہ ہو تو قبول ہوگی اور جامع الاصول کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ائمہ حدیث نے خوارج، قدریہ، روافض اور دیگر اہل بدعت سے بھی روایت لی ہیں چلو اگر امام عبد الرزاق

شیعہ تھے اور امام بیہقی تو شیعہ نہ تھے۔ جنہوں نے دلائل نبوت میں یہ روایت نقل کی ہے علاوہ انہیں امام عبد الرزاق اس میں منفرد نہیں، بلکہ علماء اعلام نور محمدی کے اہل خلق ہونے میں امام کے ساتھ ہیں جن کی عبارتیں گزر چکی ہیں، لہذا سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ فضائل میں انہوں نے ایسی روایات بھی ذکر کی ہیں جن میں ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ بالکل غیر متعلق ہے۔

(۸) نور محمدی کے اہل خلق ہونے کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سرفراز صاحب نے کہا کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح متواتر حدیث کی تاویل بے جا کریں اور محاذ اللہ تعالیٰ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوں اور آتش و دوزخ کا ایندھن بنیں بمعاذ اللہ تعالیٰ (تنقید ص ۱۱۸)

اب آئیے درامولوی سرفراز صاحب کے حکمی خاندان پر نظر ڈالیں کہ ان میں سے کتنے صاحب جتید و دستار جنم کا ایندھن بن چکے ہیں۔ سرخیل دیوبند مولوی قاسم نقوی محذورات عشرہ میں محذورات اقل کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اب سنبھلے کہ راج پر فتوح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جو اصل موقوف نبوت ہے اور ادراج انبیاء و اقبیاء کے لیے موقوف علیہ ہے اور اسی وجہ سے آپ کو تقدم بالخلق لازم ہوا، مگر مخلوقیت روحانی کو تولد جسمانی لازم نہیں اور آپ کے نزدیک لازم ہو تو ثابت کیجئے اور اہل ماخلق اللہ نوری وغیرہ مضامین کی تغلیظ فرمائیے (الی ان قال) اور اگر یہ سزا اس جرم کی ہے کہ میں نے موقوف علیہ کیوں کہا، اہل ماخلق اللہ نوری کیوں نہ کہا تو اب سہی؟

معیار دیوبند کے اس مضمون سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے (۱) نور محمدی اہل

مخلوق ہے (۲)، نبی علیہ السلام تمام انبیاء کے لیے موقوف علیہ ہیں (۳)، آپ کی نبوت بالذات اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض ہے (۴)، اول ما خلق اللہ لوری نہ صرف لائق احتجاج ہے بلکہ دیوبند کے پیر مغال نے اس سے استدلال کر کے بے شمار نصوص قرآنیہ کو رد کر دیا کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ تحذیر الناس ص ۳۹ پر دلائل کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مولوی قاسم صاحب نے کہا۔

باقی رہا آپ کا وصف نبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء ماتحت علیہم وعلیہم السلام کا آپ کے فیض کا معروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقیق معنی خاتمیت پر موقوف ہے جس کی شرح و بسط کما مغبنی اوپر کر چکا ہوں۔“

اس کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اہل علم پر بخفی نہیں کہ جو موصوف بالعرض بواسطہ فی العروض ہو، اس کے ساتھ وصف کا قیام نہیں ہوتا، بلکہ وصف کا قیام موصوف بالذات کے ساتھ ہوتا ہے اور موصوف بالعرض کو مجازاً موصوف بالذات کی مجاورت کی وجہ سے موصوف کہتے ہیں، مثلاً جالس فی السفینۃ کے ساتھ حرکت کا قیام نہیں ہوتا، لیکن اس کو مجازاً متحرک کہتے ہیں، کیونکہ وہ متحرک بالذات یعنی سفینہ کا مجاور ہے جو کہ واسطہ فی العروض ہے، پس اس تقریر سے لازم آیا کہ باقی تمام انبیاء کے ساتھ وصف نبوت قائم نہ ہو اور نبی علیہ السلام سے مقارنت کی بنا پر انہیں مجازاً نبی کہا گیا ہو۔ مولوی قاسم صاحب نے اپنے کلام میں حضور کے سوا تمام انبیاء کی نبوت کما انکار کر کے قرآن کی صمد بالصوص کو رد کر دیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَقْرَئُ بَيِّنَ لِحَدِيثٍ إِلَّا هُوَ يُحْكِمُ أَمْرًا وَيُرْسِلُهُ عَلَٰمَهُ الْوَاسِعُونَ فرماتے ہیں اس لیے کہ معتبر یہ ہے کہ رسولوں کے درمیان نفس رسالت میں فرق نہ کیا جائے نہ کہ باقی اوصاف مخصوصہ میں مؤلف مذکور لکھتے ہیں اور اب پیغمبر دیوبند کی منطق فرمائیے (شاید ملاحظہ فرمائیے جو جھنڈر) جنہوں نے نبی علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام میں نفس رسالت میں فرق کیا اور آپ کے لیے وصف نبوت کو واسطہ فی العروض کے مرتبہ میں مان کر باقی انبیاء سے نبوت کی نفی کر دی اور اس کی بنیاد وہی تھوڑی ہے جس کو وہ کہیں موقوف علیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور کہیں اول ما خلق اللہ لوری سے فیاللعجب

اب سر فرار صاحب سے پوچھئے دیجئے کہ اگر یہ روایت باطل اور موضوع ہے تو اس کو ماننے والوں میں آپ کے پیروں بھی شامل ہیں ان کے بارے کیا ارشاد ہے؟
اور اس باطل روایت کے چکر میں پڑ کر نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کا انکار کون کر رہا ہے اور ان موضوع روایت کو اساس بنا کر ایک نئے عقیدہ کی طرح کس نے رکھی۔

نہ وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اگر اجازت ہو تو اب ہم بھی کہہ دیں کہ مولوی قاسم نانوتوی نے اس البیسی چکر میں پڑ کر قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح متواترہ احادیث کی تاویل بے جا کی ہے اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوئے اور اپنے آپ کو آتش و درخ کا ایندھن بنا لیا ہے اور سچ پوچھئے تو قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر اناس میں جس ظلی اور برداری نبوت کا راستہ دکھایا ہے اس راہ پر چل کر مرزا ملعون نے دعویٰ نبوت کیا اور امت دیوبند آج تک مرزاؒ کے اس استدلال سے جان نہیں چھڑا سکی۔ اگر اب بھی آپ کی طبیعت صاف نہ ہوئی تو لیجئے حکیم الامت حاضر ہیں وہ بقول آپ کے باطل روایت کے چکر میں پڑ کر جہنم کے کس طبقہ میں جا پئے ہیں۔ حضرت جابرؓ کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد مولوی اشرف علی تھانویؒ نے ف سے فائدہ کا عنوان قائم کیا کہتے ہیں۔

ف اس حدیث سے نور محمدی کا اڈل الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات ہیں اولیت کا حکم آیا ہے۔ ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے انتہی (نشر الطیب ص ۱۷) لیجئے ان حکیم صاحب نے تو آپ کے سارے کیے و حرے پر پانی پھیر دیا۔ آپ کسی طور پر اولیت حقیقیہ نہیں مانتے اور تھانہ بھون کے حکیم الامت اولیت حقیقی کو منصوص قرار دیتے ہیں باب یا تو اپنی جہالت کا اعتراف کر کے حکیم الامت کے پیر کو لے لیجئے یا انہیں جاہل اور غالی قرار دے کر جہنم میں جھونکیئے یہ آپ کا اور آپ کے آباء کا معاملہ ہے، ہم نے صلح صفائی کی غرض سے ایک معاملہ فہمی کی بات عرض کی ہے۔ (محصلہ ص ۱۴۰ تا ۱۴۱)

الجواب | مؤلف مذکور نے اس ساری گرفت میں اسی جبل مرکب کا ثبوت دیا ہے جس کے بھنور میں وہ ساری کتاب میں غوطے کھا رہے ہیں اور کسی طرف نکلنے کی راہ نہیں پاتے اور اپنے بڑوں کی سنت اس مقام پر بھی انہوں نے پوری کی ہے کہ اصل اور مکمل عبارات سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے کوئی ادھوری عبارت سے لی اور اس پر کچھ بحث شروع کر دی اور اپنی طرف سے عبارات کے معانی اور مطالب تیار کر کے مغرب بنا کر دل کی بھڑاس نکالنا شروع کر دی، صد افسوس ہے اس علم دویانت پر اور ہزار ترف ہے ایسی تحقیق پر آب آپ ترتیب دار جوابات شیخ۔

(۱) جس طرح ہم نے کتب حدیث کے حوالہ سے اول ما خلق اللہ القلم کی حدیث نقل کی ہے اور ساتھ ہی اس کی تصحیح بھی باحوالہ عرض کر دی ہے۔ مؤلف مذکور کا یہ اخلاقی اور علمی ذریعہ تھا (اُدھ ہے) کہ وہ اول ما خلق اللہ نور کی حدیث کسی بھی حدیث کی معتبر کتاب سے باسند نقل کرے اور پھر اس کی سند کی تصحیح بھی ساتھ نقل کرتے، مگر وہ ایسا نہیں کر سکے اور انشاء اللہ العزیز نہیں کر سکیں گے تو جو روایت (اول ما خلق اللہ القلم) کتب حدیث میں موجود ہے اور محدثین کرام کی تصریح کے ساتھ وہ صحیح بھی ہے تو اس کو کیوں نہ اول حقیقی پر محمول کیا جائے اور اس کے مقابلہ میں غیر ثابت روایت کو کیوں اول حقیقی پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ بقول آپ کے اعلیٰ حضرت کے حدیث ماننے کے لیے ثبوت درکار ہے اور اسی سے آپ اور آپ کی جماعت عاجز ہے۔ آپ کو وہ سند ملنے لانی چاہیے جس سے یہ روایت مردی، تاکہ سند کے لحاظ سے اس بحث کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے (مدیدہ باید)

(۲) ہم نے تنقید متین ص ۱۲۹ و ۱۳۰ و ۱۳۱ میں شرح الشفا للملا علی القاری مرقات اور نسیم الریاض للنجاشی اور نشر الطیب ص ۵ کے حوالہ سے یہ عرض کیا ہے کہ نور محمدی سے مراد روح محمدی ہے اور اس کے بعد یہ عرض کیا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحب نے مدارج النبوة ج ۱ میں دعویٰ کیا ہے، تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں، لہذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں، ہاں اس سے خصوص

قطعیہ صریح کار ذکرنا اور آپ کی بشریت، آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا، جیسا بعض اہل بدعت کا دھروہ ہے، قطعاً غلط اور سراسر بے بنیاد ہے۔ الخ (تفہیم متین ص ۱۳۱)۔

خود فرمائیے کہ ہماری اس تصریح کے بعد مرقات کے حوالہ سے قصر دیوبند پر کیا رد آتی ہے ؟ اور کیا اس سے اس کی کوئی اینٹ یا رد ڈلایا پلٹس رہی اپنی جگہ سے ہلتا ہے ؟ بلکہ ان حوالوں سے تو قصر دیوبند اور مضبوط ہوتا ہے کہ جو معنی مرقات میں حضرت ملا علی القاریؒ نے بیان ہے، وہی معنی حضرت تھانویؒ نشر العلیب میں بیان کرتے ہیں اور ہماری عبارت میں تضاد سے مراد جیسا کہ تفہیم متین کی عبارت سے بالکل ظاہر ہے، یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح نور تسلیم کیا جائے جس سے آپ کی بشریت کا رد لازم آتا جو قرآن کریم کی نص میں قطعیہ اور احادیث متواتر سے ثابت ہے۔ اس میں تضاد ہے مگر مؤلف مذکور اپنی کم فنی اور جہالت کی وجہ سے اول معلق القلم کی حدیث کا اول معلق اللہ نوری سے تضاد سمجھ رہے ہیں اور ان میں سے ایک کو بعض حضرات اول حقیقی پر اور دوسرے کو اول اضافی پر حمل کرتے ہیں، گو ہمارے نزدیک اول معلق اللہ نوری کی حدیث سند کے لحاظ سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے۔ تو اس میں نور سے مراد روح ہے جس کی ہم نے تصریح کی ہے اور لکھا ہے کہ اس سے کسی نص کے ساتھ تضاد لازم نہیں آتا اور اس کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں، کیونکہ اس بیان کے مطابق آپ کی ذات بشر اور آپ کی صفت نور ثابت ہوتی ہے۔

اور تفہیم متین میں ہم نے اس کی تصریح کی ہے۔ بلاشبہ حضرت ملا علی القاریؒ اول المخلوقات میں آپ کے نور کا ذکر کرتے ہیں اور اسی کو راجح قرار دیتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ اول خلق کے بارے میں اختلاف تو نقل کرتے ہیں، لیکن ترجیح حدیث قلم کو دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہی حدیث صحیح ہے جیسا کہ موضوعات کبیر کے حوالہ سے یہ بات تفہیم متین میں عرض کر دی گئی ہے لہذا مؤلف مذکور کا حافظ ابن حجرؒ کو حضرت ملا علی القاریؒ کا اس میں بہنو اقرار دینا محض سینہ زوری ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فنی لحاظ سے اس کی تردید کرتے ہیں کہ اول المخلوقات میں نوری کی

حدیث ہو نہ یہ کہ اس کی تائید کی تصریح کرتے ہیں، جیسا کہ مؤلف مذکور نے کم فہمی سے یہ سمجھ رکھا ہے۔ اسی طرح علماء اسلام اور ائمہ کی عبارات میں آپ کے نور کے ادل المخلوقات ہونے کا ذکر ہے اور دیگر بہت سے علماء نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن نزاع اس میں ہے کہ صحیح حدیث کی رو سے ادل المخلوقات کیا چیز ثابت ہے نزاع علماء کی عبارات اور اقوال کے بارے تو نہیں خدا کرے کہ مؤلف مذکور بات کو سمجھ سکیں۔

(۳) ائمہ کی عبارت میں مسلم کی جن روایات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ

کَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ اللَّهُ تَعَالَى لَمْ يَأْمُرْ أَنْ يَخْلُقِ السَّمَوَاتِ
قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ خَلَقَتْ سَبْعِينَ أَلْفَ سَنَةٍ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ
وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ كَلَّمَ نُوْحًا وَآدَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامَ
قَالَ وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ كَلَّمَ نُوْحًا وَآدَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامَ
كَامْرُؤٍ عَلَى عَرْشِهِ

(مسلم ج ۲ ص ۳۳۵)

اس صحیح اور مرفوع روایت سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ مخلوقات کی تقدیر آسمان اور زمینوں کی خلقت سے پچاس ہزار سال قبل لکھی گئی اس میں قلم کی خلقت کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ کب ہوئی ممکن ہے کہ قلم تقدیر کی خلقت اس سے بھی بہت قبل ہو لیکن اس کے ساتھ لکھنے کا معاملہ آسمانوں اور زمین کی خلقت سے پچاس ہزار سال قبل ہوا ہو، جیسا کہ زمین کا مادہ آسمانوں کی خلقت سے پہلے بنایا گیا اور دھو (زمین کا پھیلاؤ) بعد کو ہوا، غرضیکہ مسلم کی روایت سے قلم کی پیدائش کے بارے قطعیت سے کچھ ثابت نہیں ہوتا، ہاں اس سے بظاہر عرش اور پانی کی خلقت آسمانوں اور زمینوں کی خلقت سے پہلے ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ امام نووی الشافعی (المتوفی ۴۰۶ھ) لکھتے ہیں۔

وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ اور اس کا عرش آسمانوں اور زمین کی
مَخْلُوقَاتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ پیدائش سے پہلے پانی پر تھا۔
وَاللَّهُ أَعْلَمُ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵)

صاحب ازہار کی یہ تفریع یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا اس کو مسلم نے روایت کیا یہ ان کا اپنا ذاتی نظریہ اور خانہ زاد تفریع ہے اور یہ تفریع اور بہت سے علماء سے منقول ہے، بلکہ بعض نے اس کو الاصح اور بعض نے قول الجہور سے تعبیر کیا ہے، مگر مسلم کی روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کے موقوف قول اور اثر سے صرف اتنا ثابت ہے کہ پانی ہوا کی بیٹھ پر تھا نہ تو اس قول سے قلم کی خلقت کی اولیت کی نفی ہوتی ہے اور نہ ان مذکورہ اشیاء سے اس کی خلقت کی تاخیر ثابت ہوتی ہے جیسا کہ کسی بھی صاحب فہم سے یہ مخفی نہیں، اسی طرح مؤلف مذکور کا بین القوسین یہ جملہ لکھنا (پس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا پانی اور عرش کے بعد ہے) یہ ان کی اور ان سے پیشرو علماء کی غلط تفریع ہے۔ اس حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں عبارت کے آخر میں صاحب ازہار کا یہ دعویٰ کہ اور جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی، وہ نور محمدی ہے جیسا کہ میں نے المورد للمولد میں بیان کیا ہے۔ نزد دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ ہمیں تو ثبوت ایسی صحیح حدیث سے درکار ہے جو باسند ہو اور محدثین کرامؒ سے اس کی باحوالہ تصحیح منقول ہو کہ اول مخلوقات نور محمدی ہے صاحب ازہار کے غیر معصوم قول سے یہ مسئلہ تو ثابت نہیں ہوتا اور نہ ثابت ہو سکتا ہے، مگر افسوس ہے کہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے علماء میں بات سمجھنے کا سرے سے سلیقہ ہی نہیں اور نہ دعویٰ اور دلیل کی تقریب تمام کا وہ خیال کرتے ہیں (۴) بلاشبہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اول مخلوقات میں نور محمدی کی حدیث کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے، لیکن ہمارا اور اہل بدعت کا نزاع اسی بات میں ہے کہ اذل ما خلق اللہ نوری کی حدیث، حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ اس کی سند کیا؟ اور کیسی ہے؟ محض حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کے صحیح کتب سے بے ثبوت روایت صحیح تو نہیں ہو جاتی۔ حدیث کی صحت کے لیے ثبوت اور سند درکار ہے اور وہی کوہ گندن اور کاہ برآوردن کا مصداق ہے۔

آگے ان کی تین تفریعات ہیں وہ اسی پر متفرع ہیں کہ یہ مذکور حدیث صحیح سے حالانکہ اس

کی صحت کسی طرح بھی اصول کے لحاظ سے ثابت نہیں، اول مختلفات میں عقل کی حدیث کی انہوں نے تحقیق کے حوالہ سے تضعیف کر دی ہے، لیکن حدیث اول ماخلق اللہ القلم بھی انہوں نے نقل کی ہے اور اس کے بارے میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ حدیث اول ماخلق اللہ القلم نیز گفتہ اند کہ مراد بعد العرش والماء است کہ واقع شدہ است وکان عرشہ علی الماء۔ (مدارج النبوة ص ۲۲) اور یہ ایک تاویل ہے۔ اس حدیث سے قبل اور بعد علی التعیین کچھ ثابت نہیں کیا۔ یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں کسی کا کلام بھی معتقہ نہیں ہو سکتا جب اول ماخلق اللہ القلم کی حدیث صحیح ہے تو سرفراز کیا ہر مسلمان کو حُب رسول کے جذبہ سے اس پر دیوانہ وار فریفتہ ہونا چاہیے اور صحیح حدیث کے پیش نظر قلم کو اول خلق سمجھنا چاہیے اور اس کے مقابلہ میں جملہ اقوال کی مناسب توجیہ اور تاویل کی جائے، نہ ہو سکے تو رد کر دیے جائیں کیونکہ ایمان کا تقاضا ہی یہی ہے۔ اگر بفضلہ تعالیٰ راقم اہم کا مطالعہ قوی اور وسیع نہ ہوتا تو بے ثبوت حدیث کو آنکھیں بند کر کے پتے باندھ لیتا اور صحیح حدیث تک رسائی ہی نہ ہوتی، مگر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سے صحیح حدیث تک رسائی ہو گئی وذلک بفضل اللہ یونہی من لیساء۔

مؤلف مذکور کا حقائق سے چشم پوشی کر کے اور جبل مرکب کے گھوڑے پر سوار ہو کر یہ لکھنا جب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا الی قولہ تو آنجناب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کی جرأت کیونکہ جوئی الخ ان کے غیث باطن کا نتیجہ اور خالص دہل و ملیس ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز صلحہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا ہے۔ یہ سمجھنے والے حضرات کی خود اپنی ذاتی تفریع ہے: وہ کون مسلمان ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ اس کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثابت شدہ قول کی تردید کی جرأت ہو؟ اور وہ تردید کر کے مسلمان بھی رہ سکتا ہو؟ حاشا وکلا ثم حاشا وکلا نظر

ابن خیال است و محال است دجنوں،

قارئین کرام! کیا ہم مؤلف مذکور کی بول میں یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ وہ معاذ اللہ تعالیٰ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغض میں آکر آپ کی صحیح حدیث اول ما خلق اللہ القلم کو رد کر رہے ہیں۔ یہ جرأت ان میں کیونکر آئی؟ کیا ان کے مذہب نامتدب نے ان کو بطریق کھلا یا ہے؟ یا غیر معصوم اقوال و افعال کے تحت وہ نبی معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو رد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) ابھی تو بہ کا درد اڑا کھلا ہے، تو بہ کو کہیں درد نہ سونم چپلم اور عرسوں کے لذیذ کھانے اور گیارہویں شریف کی سٹھائیاں اور جلیبیاں آپ کو ہرگز عذاب خداوندی سے نہیں چھڑا سکیں گی اور آپ کو یقیناً وقت پر کف افسوس ملنا پڑے گا مگر اس وقت کہ جب۔

عرب پچھتائے کیا ہوتا ہے جب چڑیاں لچک گئیں کھیت۔ راقم اشیم کو کتابوں سے دنیوی مفاد اور کئے تو چنڈاں حاصل نہیں ہوتے اور لکھنے کا مقصد بھی یہ نہ تھا جیسا کہ مؤلف مذکور کی بدگمانی ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم اشیم کی مدد اور یا حوالہ کتابوں سے ہزاروں لوگ شرک و بدعت سے تائب ہو گئے ہیں۔

(۵) ہمارے دعویٰ کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بایں معنی نور تسلیم کرنا جس سے آپ کی بشریت کا انکار لازم آئے یہ عقیدہ غلط ہے اور اس سے اصول قطعیہ اور احادیث متواترہ کا رد لازم آتا ہے جو بھلے خود کفر ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اگر اول ما خلق اللہ نوری کی حدیث صحیح بھی ثابت ہو جلتے اور نور سے روح مراد ہو تو چونکہ اس سے اصول کا رد لازم نہیں آتا، اس لیے یہ درست ہے ہم نے تنقید متین میں اس کی تصریح کی ہے جس کو مؤلف مذکور شربت صندل سمجھ کر پی گئے ہیں۔ ہمارے دعویٰ کا بنیادی نقطہ یہ نہیں ہے کہ اول خلق قلم ہے یا نور محمدی ہے۔ ان میں سے جو نسا بھی ادل حقیقی ثابت ہو گیا، دوسرا اضافی ہو جائے گا۔ مگر چونکہ ہماری دانست اور تحقیق کے مطابق اول ما خلق اللہ القلم کی حدیث صحیح اور ثابت ہے۔ اس لیے اس کو محض غیر معصوم اقوال و افعال کی خاطر ترک کر دینا مستحسن بات نہیں ہے، حضرت ملا علی القاریؒ نے جو یہ فرمایا کہ ارواح نورانی ہوتی ہیں تو بجا ہے، کیونکہ روح کی تعریف عند البعض یہ ہے جسم لطیف سارنی بدن الانسان اور دوسرے الفاظ میں یہی جسم لطیف نورانی

کہلاتا ہے۔ لیکن اس سے مؤلف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں اور ہمیں کوئی نقصان نہیں کمالا کھنی۔
 (۱) امام عبدالرزاقؒ اور امام بیہقیؒ نے تو شرح حدیث میں ہیں اور نہ انہوں نے اول المخلوقات
 کا اختلاف چھیڑا اور اس پر بحث و تحقیق کی ہے انہوں نے تو قبول آپ کے اعلیٰ حضرت وغیرہ
 کے صرف اول باخلق اشد نوری کی حدیث نقل کی ہے جس کی صحت ہی محل نزاع ہے۔
 امام قسطلانیؒ اور علامہ زرقانیؒ بلاشبہ اول باخلق اشد نوری کو نقل کرتے اور بظاہر اس کو
 ترجیح دیتے ہیں، لیکن یہ دونوں بزرگ سیرت نگار ہیں اور سیرت کی کتابوں میں رطب و یابس
 سب کچھ ہوتا ہے تحقیق بہت کم ہوتی ہے، چنانچہ آپ کے اعلیٰ حضرت ہی ایک مقام پر
 معارج النبوت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کتاب میں رطب و یابس سب کچھ ہے (احکام شریعت
 ج ۲ ص ۸۲) اس لیے ہم نے محققین شرح حدیث اور ارباب تاریخ کی قید لگائی ہے بایں ہمہ یہ
 بزرگ حتمی طور پر نور کی اولیت ہی کا ذکر نہیں کرتے، بلکہ وہ اولیت اضافیہ کو بھی نظر انداز نہیں
 کرتے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

اور سدی نے

وروی السدی

... متعدد اسانید سے روایت کیا ہے

... باسانید متعددة ان الله لم

کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیا پیدا کی ہیں یعنی

یخلق شیئاً مما خلق ای من

تمام مخلوقات ہیں سے پانی سے پہلے کوئی

جميع المخلوقات قبل الماء

چیز نہیں پیدا کی، اس روایت میں اور

فیجمع بدینہ و بین ما قبلہ

اس سے پہلی روایت میں جو حضرت جابرؓ

من حدیثی جابرؓ والی دزین

اور حضرت ابوذرینؓ کی روایتیں ہیں۔

بان اولیۃ خلقہ القلم

تطبیق یہ ہے کہ قلم کی اولیت خلقت کے

بالنسبة الى ما عدا النور المحمدي

لحاظ سے نور محمدی اور پانی اور عرش کی

والماء والعرش انتہی وقیل

خلقت کے سوا ہے۔ ان کی بات پوری ہوئی

فی الجمع ایضاً الاولیۃ فی کل

اور یہ بھی کہا گیا ہے تطبیق کے سلسلہ میں

من المذکورات بالاضافة

الیٰ جنسہ ای اول ما خلق اللہ
 من الانوار نور الضمیۃ
 صلی اللہ علیہ وسلم و
 کذا یقال فی بایہا ای واول
 ما خلق مما یکتب القلوب الذی
 کتب المقادیر واول ما خلق
 مما یمدق علیہ العرش
 عرش اللہ اذا العرش یطلق
 علی معان کما فی القاموس
 (المواہب مع شرحہ للزرقانی ج ۱ ص ۱۸۸)
 کہ اولیت ہر ایک کی ان مذکورہ چیزوں
 میں سے اپنی جنس کی طرف اضافت کے
 اعتبار سے ہے، یعنی انوار میں سب سے
 پہلے سیر نور پیدا کیا گیا اور ضمیر متکلم انحضرت
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راجع
 ہے اور اسی طرح باقی امور کے متعلق کہا گیا
 ہے یعنی قلوب میں سب سے پہلے قلم تقدیر
 اور تختوں میں سب سے پہلے عرش پیدا
 کیا گیا کیونکہ عرش کا اطلاق کئی معانی پر
 ہوتا ہے جیسا کہ قاموس میں ہے۔

اس عبارت میں تصریح ہے کہ امام احمد قسطلانی جو ماتن ہیں اور امام عبدالباقی زرقانی جو شراح
 ہیں اولیت اضافیہ کو بھی برابر بیان کرتے اور اس کو علی طور پر ملحوظ رکھتے ہیں اور حضرت ملا علی القاری
 شراح حدیث میں ہیں اور محقق بھی ہیں اور ان کا حوالہ ہم نے تفتیہ متین ص ۱۲۹ میں دیا ہے۔ شیخ
 عبدالقادر الجزائری مصنفی قسم کے بزرگ ہیں بمحققین شراح حدیث میں ان کا مقام اور بھر نہیں ہے
 اور شیخ عبدالحق دہلوی کا حوالہ خود ہم نے تفتیہ ص ۱۳ میں دیا ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں
 اور صرف یہی دونوں بزرگ ہی شراح حدیث نہیں بلکہ شروح حدیث کی اور بھی بے شمار اور
 لا تعداد کتابیں موجود ہیں جن کے شراح محقق بھی ہیں، لیکن ان کے شروح اس کے ذکر سے خالی
 ہیں الغرض ہمارے الفاظ محققین شراح حدیث اور ارباب تاریخ کی الفاظ بالکل واضح ہیں اور
 مولف مذکور محققین شراح حدیث سے بجز ہمارے بیان کردہ حوالوں کے اور کوئی حوالہ نہیں
 پیش کر سکے، مگر شیطان مردود ہی اگر کسی کی آنکھوں پر حند اور تعصب کی ٹپی باندھ دے کہ
 اسے یہ الفاظ نظر ہی نہ آئیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔

ع۔ گہر نہ بنید بروز شہرہ چشم۔ چشم آفتاب را چہ گاہ

(۷) حدیث کی صحت کے لیے سند کی ضرورت ہوتی ہے، امام عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں:
 الاسناد من الدین ولولا الاسناد سند دین (کا حصہ) ہے اور اگر سند نہ
 لقال من شاء ما شاء۔ ہو تو جس شخص کا جوچی چاہے گا وہ کہے گا۔

(مسلسلہ ج ۱ ص ۱۱)

اس لیے جب تک سند اور اس کے روایت کی ثقاہت معلوم نہ ہو، حدیث کا کوئی اعتبار
 نہیں، یہ ٹھیک ہے کہ قشیع اور بدعت کی وجہ سے روایت رد نہیں ہوتی لیکن اگر اہل بدعت کی
 ایسی روایت ہو جو داعیہ الی البدعت ہو تو پھر اس کی روایت قابل قبول نہیں (ملاحظہ ہو شرح
 نخبۃ الفکر ص ۲۷ و تدریب الرادی ص ۲۱۷ وغیرہ)

اور ایسا رادی جو داعیہ الی البدعت ہو جب کہ متفرد ہو تو اس کی روایت میں مزید شک
 پڑ جاتا ہے اور اس روایت میں امام عبدالرزاق متفرد ہیں امام بیہقیؒ ان سے بہت متاخر ہیں
 ان کی اس روایت کو نقل کرنے سے امام عبدالرزاق کا تفرد رفع نہیں ہوتا جب تک کہ امام
 بیہقیؒ کی روایت میں امام عبدالرزاقؒ کی بجائے کوئی اور ثقہ رادی نہ ہو اور اس حدیث کے الفاظ
 بھی بعینہا وہی ہوں جو امام عبدالرزاقؒ کی روایت کے ہیں اور اسی طرح علماء کرام کا اپنی عبارات
 میں اس روایت کو یا اس کے مضمون کو نقل کرنا تفرد کو رفع نہیں کرتا، جیسا کہ کتب اصول
 حدیث جاننے والوں پر یہ بالکل واضح ہے روایت میں رادی کا تفرد جب ہی رفع ہو سکتا ہے
 کہ اس رادی کا کوئی اور متابع ہو ورنہ تفرد برقرار رہے گا۔ لاکھنی امام ابن غلدونؒ (المتوفی ۷۴۰
 فرماتے ہیں کہ عبدالرزاقؒ بن ہمامؒ مشہور شیعہ تھے اور آخر عمر میں نابینا اور مختلط بھی ہو گئے تھے
 امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے فضائل میں ایسی روایات بیان کی ہیں جن میں ان کی
 کوئی بھی موافقت نہیں کرتا اور ان کو تشیع کی طرف منسوب کیا گیا ہے (مقدمہ ص ۳۲ طبع مصر)
 اور ہم نے متفقہ متین ص ۱۳ میں شیعہ کی مشہور و معروف کتاب اصول کافی کے حوالہ سے لکھا ہے
 کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت علیؑ کے زور ہونے کا عقیدہ شیعہ کا ہے لہذا
 جب شیعہ رادی ایسی روایت نقل کرے جس میں اس کا عقیدہ مضمون ہو اور ہو بھی دہ متفرد تو

اصول حدیث کے لحاظ سے اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے ؟ اور اسی سے ملتا جلتا مضمون آپ کے اعلیٰ حضرت بھی لکھتے ہیں۔

سے تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا
عدائق بخشش حصہ دوم ص ۱۲۱

(۸) کاش کہ مؤلف مذکور تنقید متین ص ۱۳۲ و ص ۱۳۳ میں درج کردہ روایات کا حوالہ دیتے اور پھر ساتھ ہی وہ حوالے بھی نقل کر دیتے کہ یہ روایات باطل اور موضوع ہیں اور ان میں کذاب راوی موجود ہیں تاکہ غوام کو بھی کچھ پتہ چل سکے کہ تنقید متین میں کون سی روایات کو باعالمہ موضوع اور باطل کہا گیا ہے اور ان کے باطل اور موضوع ہونے کا ثبوت کیا ہے ؟ مگر مؤلف مذکور نے اپنے بڑوں کی طرح یہاں بھی دجل سے کام لیا ہے اور یہ مجمل جملہ لکھ کر غوام کو مغالطہ میں مبتلا کر رہے ہیں کہ نور محمدی کے اَدَل غلطی ہونے کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی سرفراز نے کہا ہے کہ ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر الخ حیرت اور افسوس ہے۔ اس دجل و قلیس پر قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ تنقید متین کا مطالعہ کریں تاکہ حقیقت بالکل نمایاں ہو جائے۔

مؤلف مذکور کی جہالت اور کوڑے مضمری ملاحظہ فرمائیے کہ ہم نے تنقید متین ص ۱۳۱ میں لکھا ہے کہ اگر نور محمدی کا مطلب روح محمدی ہو تو اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالحق صاحب نے مدارج ج ۱ ص ۱۱۱ میں دعویٰ کیا ہے، تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں لہذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہاں اس سے نصوص قطعیہ صریحہ کا رد کرنا اور آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیت کا انکار کرنا جیسا کہ بعض اہل بدعت کا دعوہ ہے۔ قطعاً غلط اور منہر سر ہے بنیاد ہے اھ آپ اس واضح عبارت کو بھی دیکھیں اور مؤلف مذکور کے حضرت نانو توئی کی غیر متعلق عبارت کو نقل کر کے راقم اٹیم پر اعتراض کو بھی دیکھیں کہ ان میں کیا ربط اور جوڑ ہے ؟ حضرت نانو توئی نے کہاں آپ کی بشریت کا انکار کیا ہے اور کس مقام پر آپ کی آدمیت اور انسانیت کا رد کر کے قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور صریحہ کو ترک کیا ہے ؟

انہوں نے تو اول مخلوق میں نور محمدی تسلیم کیا ہے اور آپ کی ذات کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کے لیے معرفت علیہا قرار دیا ہے اور وہ نور کو روح کے معنی میں لیتے ہیں چنانچہ مناظرہ عجیبہ ص ۳۱ کی اسی عبارت میں جس کا کچھ حصہ مؤلف مذکور نے بھی نقل کیا ہے۔ رُوح پُر نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اول ماخلق اللہ نورِ محمدی کو ہم معنی ثابت کر رہے ہیں اور ہم نے بھی تصریح کر دی ہے کہ نور کو روح کے معنی میں لینے سے چونکہ بشریت کا انکار لازم نہیں آتا اور نہ نصوص قطعیہ کا دلائل لازم آتا ہے اس لیے اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں بالفصلہ تعالیٰ نہ تو سرخیل دیوبند نے نصوص قطعیہ کا انکار کیا ہے اور نہ وہ جہنم کا ایندھن بنے ہیں، اہل البدن آپ کے صدر الافاضل ان الفاظ سے کہ قرآن پاک میں جا بجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور حقیقت انبیاء کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دُور اور کفار کا دستور ہے بلطفہ نصوص قطعیہ کا انکار کر کے ضرر و دوزخ کا ایندھن بنے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کا ذکر کر کے آپ نے بلاوجہ اپنے مآذف دل کی بھڑاس نکالنے کی لامحالہ سعی کی ہے۔

مؤلف مذکور نے حضرت نانوتویؒ کی عبارت سے جو امور اخذ کیے ہیں اور ان کے چار نمبر قائم کیے ہیں۔ ان میں کسی ایک امر کے ساتھ کسی نص کا رد نہیں ہوتا نص (بلکہ نصوص) کا رد صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ آپ کی بشریت، آدمیت اور انسانیت کا معاذ اللہ تعالیٰ رد ہو اور حضرت نانوتویؒ کی کسی عبارت سے نصوص کے رد کا ادنیٰ سا اشارہ بھی ثابت نہیں ہوتا ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ نصوص کا رد نور محمدی (یعنی روح محمدی) کے تسلیم کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ بشریت کے رد کرنے سے ہوتا ہے۔ یہ مؤلف مذکور کی خالص جہالت اور نادانی ہے کہ وہ اول ماخلق اللہ نورِ محمدی کے تسلیم کرنے سے نصوص کا رد سمجھتے ہیں جب کہ اس کا معنی روح خود ان کی عبارات سے ثابت ہے۔

دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال جا سکے کب یار کے مسکن میں ہم
مؤلف مذکور نے تحذیر الناس ص ۳۳ کی ایک مختصر سی عبارت نقل کر کے اور حضرت مولانا نانوتویؒ کی مراد واسطہ فی العروض کی بحث

کو نہ پاتے ہوئے اپنی کم فہمی اور تعصب کی وجہ سے مولانا نو توئی کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا معاذ اللہ تعالیٰ منکر قرار دے کر خوب اپنے مریض دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اس میں قدرے تفصیل سے کلام کریں۔ حضرت نافو توئی یہ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور رسالت حق ہے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجہ کا اور کوئی نبی نہیں، آپ کی نبوت بالذات (یعنی اولاً اور بالذات) ہے اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت آپ کے طفیل اور آپ کے فیض کا نتیجہ ہے اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے لیے آپ واسطہ فی العروض ہیں خود حضرت مولانا کی چند عبارات ہم عرض کرتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا اھ (منظرہ عجیبہ ص ۵)

(۲) یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سو آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اور دل کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں آپ پر سلسلہ نبوت منقطع ہو جاتا ہے (تخذیر الناس ص ۱)

(۳) موصوف بالعرض کا قصبہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتب ہوتا ہے موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتب اور مستعار نہیں ہوتا۔ مثال درکار ہے تو لیجئے زمین و کسمندر در دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے، تو آفتاب کا نور کسی اور مخلوق صفدر کا فیض نہیں اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی بایں ہمہ یہ وصف اگر آفتاب کا ذاتی نہیں تو جس کا کمود ہی موصوف بالذات ہوگا اور اس کا نور ذاتی ہوگا کسی اور سے مکتب اور کسی اور کا فیض نہ ہوگا۔ اھ (تخذیر الناس ص ۱)

(۴) مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرد اکمل وہ واسطہ فی العروض ہوگا جو اپنے معروضات کے

حق میں موصوف بالذات ہوتا ہے۔ اگرچہ کسی اور کی نسبت وہ بھی معروض ہو جیسے آئینہ وقت نور انسانی درو دیوار اگر درو دیوار کی نسبت واسطہ فی العرض اور موصوف بالذات ہے تو آفتاب کی نسبت خود معروض ہے۔ (تحدیر الناس ص ۱۵)

(۵) وجود ممکنات بالذات اور ذاتی نہیں بالعرض ہے اور وہ بالذات جو ہر بالعرض کے لیے چاہیے یہاں وہ وجود ہے جو ذات بحت سے صادر ہوا ہے اور اس وجہ سے اس کو لازم ذات خداوندی کہنا ضرور ہے اور اسی کو محققین صوفیہ کرام صمد اول اور وجود مطلق اور نفس رحمانی کہتے ہیں۔ اس وجود کو تو عین ذات کوئی نہیں کہتا اھ (مناظرہ عجیبہ ص ۷۶)

(۶) بہر حال موصوف بالذات تو تمام موصوفین بالعرض سے موجود فی الخارج ہوں یا مقدر الوجود افضل ہوتا ہے اور سوا اس کے اور کسی کی افضلیت ایسی عام اور شامل اور مطلق نہیں ہوتی اھ (مناظرہ عجیبہ ص ۷۷)

(۷) اور انبیاء کی نبوت تو آپ کی نبوت کا پرتو ہے پر آپ کی نبوت پر ققنہ ختم ہوا تھا ہے اور اس بات کو آپ کے دین کا نسخہ الادیان ہونا اسی طرح لازم ہے جیسے آفتاب کے نور کا اور انوار کو بخور کر دینا الخ (تصفیۃ العقائد ص ۱۲)

(۸) اور نیز یہ بھی ہر کوئی سمجھ گیا ہو گا کہ واسطہ فی العرض حقیقی دربارہ وجود کیسے یا کسی اور صفت وجودی کی نسبت کیسے، سوا ہر موجود مطلق خداوند برحق کے اور کوئی نہیں، آخر اپنے وجود کا حال کون نہیں جانتا کہ عرضی ہے ذاتی نہیں، مادہ ہمیشہ سے ہوتا اور ہمیشہ رہتا یہ عیبِ حدوث اور داغِ احتیاج ہی کیوں ہمارے نام لگتا اور جب وجود عرضی ہے تو صفات وجودیہ ہر ہا پہلے عرضی ہوں گی اور اس تقریر کے کیفیت ارتباط عالم بھی اپنے خالق کے ساتھ کسی قدر محقق ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سوا اس کے اور کسی کو اگر واسطہ فی العرض کہتے ہیں تو بایں معنی کہتے ہیں کہ صفت متوسطہ فیہا خالق سے اول وہی لیتا ہے اور سوا اس کے اور دل کو اس کے واسطہ سے پہنچتی ہے بایں ہمہ ایک وصف اعنی ایک حصہ اس کا مثل واسطہ فی العرض حقیقی دونوں میں مشترک ہوتا ہے اھ (آبِ حیات ص ۴۴)

(۹) بالجملہ آیت النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم میں تفسیر کے لیے اس بات پر شاید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 منشاء وجود ارجح مؤمنین میں اور مابین روح نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ارجح مؤمنین وہ
 رابطہ اور ارتباط ہے کہ منشاء انتزاع اور انتزاعیات میں ہوا کرتا ہے اور چونکہ شہادت
 تقریرات گذشتہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انتزاع من بین الشیئین ہوا کرتا ہے، چنانچہ لفظ
 انتزاع ہی خود اس بات پر شاید ہے کہ شے ثانی کے لیے دربارہ تصائب روحانیت روح
 نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واسطہ فی العرض ہوگی، کیونکہ منشاء انتزاع موصوف بالذات ہوا
 کرتا ہے اور موصوف بالذات ہی واسطہ فی العرض ہوا کرتا ہے، مگر ہاں اس بات کو سمجھنا کہ
 موصوف بالذات ان دونوں میں سے کون سا ہے، ہر کسی کا کام نہیں اہل افہام متوسطہ لبا
 اذقات موصوف بالعرض کو موصوف بالذات اور موصوف بالذات کو موصوف بالعرض سمجھ لیتے
 ہیں۔ چنانچہ انتزاع فوقیت و تحقیق میں اکثر یہی ہوتا ہے اھ (آب حیات ص ۱۲۸)

(۱۰) سو واسطہ فی العرض ہم نے کی پوری پوری صفت تو خداوند کریم ہی میں ہے، چنانچہ اوپر
 مرقوم ہو چکا اور اس وجہ سے اُس کو مالک حقیقی سمجھنا چاہیے۔ دوسرے رتبہ میں رسول اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مالکیت سمجھے کیونکہ اول تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محققین
 کے نزدیک وسیلہ تمام فیوض اور واسطہ فی العرض تمام عالم کے لئے ہیں۔ چنانچہ آپ کے لیے
 مقام وسیلہ کاملنا بھی عقل کے نزدیک اُسی طرح مشیر ہے۔ والعاقل تکفیه الاشارة اور یہاں سے
 سمجھ میں آتا ہے کہ عجب نہیں، جو روایت لولاک لما خلقت الافلاك صحیح ہو کیونکہ اس
 کا مضمون صحیح ہی معلوم ہوتا ہے اھ (آب حیات ص ۱۲۸) تِلْكَ عَشْرَةٌ مِنْ كَافِلَةٍ۔

حضرت نانوتوی کی ان عبارات اور اقتباسات سے یہ بات معلوم ہو چکی کہ حضرت انبیاء
 کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ارجح مؤمنین بلکہ تمام عالم کے لیے آپ وسیلہ فیض اور واسطہ
 فی العرض ہیں اور یہ وہی چیز ہے جس کو مولف مذکور نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی
 کے حوالہ سے یوں نقل کیا ہے۔

بدانکہ اول مخلوقات دو واسطہ صد در جان کو کہ اول مخلوقات اور واسطہ خلق عالم کائنات دو واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ اول ماخلق اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا

نوری دساتر کونات علوی و سفلی ازاں اور باقی تمام کائنات علوی و سفلی اس نور نور دازاں جو ہر پاک پیدا شدہ اھ سے پیدا ہوئی (یعنی نور کے فیض سے نہ یہ مدارج النبوت ج ۲ ص ۷) کہ نور ان کا مادہ تھا جیسا کہ بعض جاہل توضیح البیان ص ۱۶) سمجھتے ہیں۔ صغیر)

غرضیکہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام (بلکہ تمام جہان) کے لیے جو واسطہ فی العروض کہا ہے تو اس میں انہوں نے کسی نفس یا حضرات سلف صالحین میں سے کسی محقق کے قول کی قطعاً کوئی خلاف دہری نہیں کی اور اسی طرح آپ کی ذات کو تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے موقوف علیہا کہنا اور نیز آپ کی نبوت کا بالذات اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا بالعرض کہنا اس تفصیل کے ساتھ جو خود ان کی اپنی عبارات میں گنہر چکی ہے بالکل صحیح ہے اور اسی طرح ہمارے بھی کسی بیان کا حضرت نانوتویؒ کی کسی عبارت سے ہرگز کوئی تضاد و تعارض نہیں جیسا کہ کسی بھی عقل مند اور بالانصاف پر یہ بات ہماری عبارات کے پیش نظر محض نہیں ہے باقی ضدی اور متعصب کے لیے اس جہان میں کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔

صد کف کہ وہ سبکھی ہوئی تقریر نہ سمجھا کرتا ہوں میں سوزِ غم پنہاں کی شکایت

مؤلف مذکور نے منطق و معقول کی ایک واضح اصطلاح سے لاعلمی کی بنا پر اپنے بڑوں کی

دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

تقلید کرتے ہوئے یہ سطحی شوشہ بھی چھوڑا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت

والسلام کی نبوت کا انکار (معاذ اللہ تعالیٰ)

بالذات ہے اور دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالعرض ہے اور آپ
 ان کی نبوت کے لیے واسطہ فی العرض ہیں تو دوسرے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
 سے نبوت کی نفی بھی درست ہے، جیسا کہ کشتی میں سفر کرنے والا حقیقتہً متحرک نہیں، متحرک
 تو صرف کشتی ہے، مسافر کو مجازی طور پر متحرک ہے اور اس سے حرکت کی نفی درست ہے تو
 اس لحاظ سے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نبوت کی نفی صحیح ہوگی، حالانکہ ان کی نبوت
 کا انکار کفر ہے جس سے قرآن پاک کی صد آیات کا انکار لازم آتا ہے اور اس کی بنیاد آپ کو
 موقوف علیہ اور واسطہ فی العرض کہنا ہے (محصلاً توضیح البیان ص ۱۶۸ و ص ۱۶۹)

سو جواباً گزارش ہے کہ مؤلف مذکور خود خط کا شکار ہیں واسطہ فی العرض میں وصف کی
 نفی بالذات کی جاتی ہے نہ کہ وصف بالعرض کی جاس فی السیفین سے حرکت کی نفی نہیں بلکہ بالذات
 حرکت کی نفی ہے اور جاس فی السیفین متحرک بالعرض ہوتا ہے اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی لہذا
 دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بالعرض نبوت کی نفی ہرگز درست نہیں ہے۔ ہاں بالذات
 کی نفی ضرور ہے، لیکن بالذات نبوت ان کے لیے ثابت ہی کب ہے کہ نفی سے کوئی محذور لازم
 آئے؟ ان کی نبوت تو آپ کے فیض کا ثمر ہے مؤلف مذکور کا یہ شوشہ بھی ان کے بے خبر دماغ
 کی پیداوار نہیں، بلکہ یہ شوشہ مولانا عبد العزیز صاحب امر دہلوی کا ہے جو جوابات محذورات
 عشرہ الموسومہ بمنظرہ عجیبہ میں محذورات ثالث میں مع جواب کے مذکور ہے، چنانچہ اعتراض کا
 ایک حصہ یہ ہے۔ اگرچہ نسبت وصف کی طرف ذی واسطہ کے ایجاباً مجازاً کرتے ہیں مگر حقیقت
 سلب کرتے ہیں پس لازم آیا کہ انبیاء موصوفین بالعرض عادی عن التیوت مثل ممکنات علی عن الوجود
 کے ہوں اور سلب نبوت کا حقیقتہً ان سے درست ہوا ہے (منظرہ عجیبہ ص ۹)

اس سوال اور شوشہ کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا نانوتویؒ ارقام فرماتے ہیں کہ
 خلاصہ اعتراض اول تو یہ ہے کہ انبیاء باقی سے سلب نبوت ذاتی معنی بالذات لازم آئے گا
 اس کا جواب تو فقط اتنا ہے کہ یہ اعتراض تو اور انبیاء کے نبی بالذات ہونے پر موقوف ہے
 اگر اعتراض کرنا تھا تو پہلے اس مقدمہ کو کہ اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالذات

ہے۔ آپ کے طفیل فیض اور واسطہ سے نہیں۔ صفدر ثنابت کہنا تھا، سو یہ مقدمہ نہ آپ سے ثابت ہوا نہ ہوا انشاء اللہ تعالیٰ اھ (مناظرہ عجیبہ ص ۱۱) اب مؤلف مذکور اور ان کے بزرگ خویش لائق۔ قابل اور محقق استاد ہی یہ مقدمہ ثابت کر دکھائیں کہ باقی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت بالذات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض اور واسطہ فی العرض ہونا اس میں نہیں ہے۔ اگر ایسا ثابت کر دیں تو پھر اعتراض بجا ہوگا ورنہ مردود ہے اور انشاء اللہ العزیز یہ ثابت نہیں کئے۔

باقی قرآن کریم کی آیت کریمہ لَا تُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ اور علامہ ابوالسعود کی تفسیر کے حضرت مولانا نالوتوی ہرگز مخالف نہیں کیونکہ حضرت نالوتوی قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر کی روشنی میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نفس نبوت میں قطعاً کوئی فرق نہیں کرتے سب کو نبی تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں اوصاف مخصوصہ کے فرق کو ضرور ملحوظ رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصف نبوت سے بالذات متصف ہیں اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وصف نبوت سے بالعرض موصوف ہیں جیسا کہ علامہ ابوالسعود کی تفسیر میں ہے۔ لہذا عوام الناس کو لا تفرق الایۃ اور علامہ ابوالسعود سے اس کی تفسیر نقل کر کے منالطہ دینا جیسا کہ مؤلف مذکور نے کیا ہے اہل علم کی شان سے کوسوں دور ہے، مگر اہل بدعت کو اس سے کیا انہیں تو علماء دیوبند کفر اللہ تعالیٰ جماعتہم سے عوام کا لانعام کو متضرر کرنے کے لیے کوئی بھی حربہ اور شوشہ درکار ہے۔

نئی کچھ نہیں ان کی جان بازیاں یہی کھیل ان کا لڑکپن سے ہے
العرض حضرت مولانا نالوتویؒ نہ تو کسی ایسی جگہ میں مبتلا ہوئے ہیں اور نہ کسی نص قطعی اور خبر متواتر کی کوئی تادیل انہوں نے کی، یہ عمدہ جلیلہ آپ کے صدر الافاضل کو ہی حاصل ہے کہ وہ آپ کی بشریت کا اس عبادت میں انکار کر کے صد ہا نصوص اور احادیث متواترہ اور اجماع اُمت کے منکر ہو کر دوزخ کا ایندھن بنے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو آتش

دورخ سے بچائے آمین رہا مؤلف مذکور کا یہ شوشہ کہ مولانا نالوتوئی نے تحفہ بر الناس میں غلی اور بر دزی نبوت کا راستہ دکھا کر مرزا غلام احمد کو دعویٰ نبوت پر آمادہ کیا ہے امرت دیوبند آج تک مرزا تیسرے کے اس استدلال سے جان نہیں چھڑا سکی۔ (محصلاً) تو یہ محض ان کی لاعلمی اور جہالت کا پلندہ ہے۔ اس مسئلہ پر دیگر علماء کرام نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی جگہ پر ہے۔ راقم اشیم نے بھی بانی دارالعلوم دیوبند اور عبارات اکابر حصہ اول میں بقدر ضرورت اس کی بحث کر دی ہے جب اس کا فراق مخالف کی طرف سے کوئی معقول جواب آئے گا، تو بشرط زلیست پھر دیکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ورنہ کوئی اور اٹھ کھڑا ہوگا، کیونکہ کل فرعون موٹی مشہور مقولہ ہے۔

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے بافا میں ہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
تیسرا اعتراض | مولوی غلام رسول سعیدی صاحب اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد مولوی اشرف علی تھانویؒ نے فائدہ کا عنوان قائم کیا کہتے ہیں ف اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا، کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایت میں اولیت کا حکم آیا ہے۔ ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔ انتہیٰ نشر الطیب ص ۱۱

مؤلف مذکور یہاں بھی جبل مرکب کا شکار ہیں اور
حضرت تھانویؒ اور حدیث نور | لاعلمی میں کچھ نہ کچھ ہانک دیتے ہیں۔ تھانوی صاحب کا حوالہ بھی ان کو مفید نہیں، اس لیے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث کے بارے ہم نے صرف اسوئی طور پر اس کی صحت پر باحوالہ کلام کیا ہے کہ اس کی سند معلوم نہیں اور اس کا ظاہری مضمون صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ اس کو ہم نے قطعی طور پر باطل اور موضوع تو نہیں کہا جیسا کہ مؤلف مذکور دبل کا ثبوت دے رہے ہیں۔ حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ ولا یلزم من عدم الصحة وجود وضع کما لا یلزم من موضوعات کبیر ص ۱۱ اور مولانا عبدالحی ذریعاتیؒ ہیں لا یصح لا یلزم من ان یکین باطلاً الخ (انوار المرفوعہ لمولانا عبدالحی ص ۳۳) عدم صحت سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

جیسا کہ مخفی نہیں، عدم محنت سے اس کا باطل ہونا لازم نہیں آتا۔ وثالثاً اس حدیث جابرہ پر بحث کرنے کے بعد فائدہ کے عنوان سے لکھا ہے کہ اور بھی متعدد الفاظ آپ کے نور ہونے کے مضمون کے مروی ہیں۔ آگے ہم نے اس مضمون کی بعض حدیثوں کا حوالہ دیا ہے اور باحوالہ ان کا باطل اور موضوع ہونا ثابت کیا ہے۔ اس ساری بحث کو مؤلف مذکور شیر مادر سمجھ کر ٹھپ کر گئے ہیں۔

وثالثاً حضرت جابرہ کی مذکور حدیث کے بارے میں باوجود علمی اور اصولی بحث کے ہم نے لکھا ہے کہ اگر نور سے روح مراد ہو تو اس معنی کے لحاظ سے اس کا کسی نص سے کوئی تضاد نہیں، لہذا اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں الخ اور ہم نے حضرت تھانویؒ کا حوالہ دیا ہے کہ وہ اس معنی میں اس کو تسلیم کرتے ہیں اور ہم نے اس معنی میں نور کو اقل حقیقی تسلیم کیا ہے، کیونکہ اس سے کسی نص کی مخالفت لازم نہیں آتی، ہادی اس تصریح کے ہوئے ہوئے مؤلف مذکور کا یہ لکھنا کہ آپ کسی طور اقل حقیقی نہیں مانتے، سفید جھوٹ اور خالص افتراء ہے اور بفضلہ تعالیٰ جب راقم اشیم اور حضرت تھانویؒ کی بات ایک ہی ہے اور خالص علمی ہے تو ہم میں سے کسی کی جہالت کا کیا سوال؟ حضرت تھانویؒ اپنی جگہ علم و معرفت کے پہاڑ اور راقم اشیم ان کی پیروی اور خوشہ چینی کرنے والا ایک ادنیٰ طالب علم ہے جب دونوں کی بات میں کوئی تضاد اور تخالف نہیں تو آپ بیچ میں صلح صفائی کرنے والے بندر بانٹ کا نمونہ کون ہیں؟

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں در عالم ارواح اول کسے کہ پیدا شد انبال ہوند (امیر عریزی پارہ ہنر ۲ ص ۲۱۹) یعنی عالم ارواح میں سب سے پہلے جو پیدا ہوئے، وہ آپ ہی تھے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وارثاً ہم نے اس کی تصریح کی ہے کہ آپ کو اگر اس طرح نور تسلیم کیا جائے جس سے آپ کی بشریت آدمیت اور انسانیت کا انکار ہوتا ہو تو اس سے نفوس قطعہ اور سر بیجہ کا رد لازم آتا ہے اور حضرت تھانویؒ نے اپنی اقلہ دو کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کا واضح الفاظ میں اثبات کیا ہے۔ ہم یہاں صرف نشر الطیب ہی کا حوالہ عرض کرتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں یکتا چارم جو کہ آپ بھی بشریت میں مادیت میں غنصریت

میں امت کے ساتھ شریک ہیں اور بعض امور زائد ہر مثل کثرت مال وغیرہ میں اور دوسروں کے ساتھ مساوی بھی نہیں الخ (نشر الطیّب ص ۲۲۵ طبع جمیعہ برقی پریس دہلی، الحاصل حضرت تھانویؒ نے آپؐ کی بشریت کا معاذ اللہ تعالیٰ انکار نہیں کیا، البتہ ایک نامعلوم سند سے روایت کا حوالہ دے کر اس کا ایسا معنی بیان کرتے ہیں جو علامہ خفاجیؒ اور حضرت ملا علیؒ القاریؒ وغیرہ بزرگ بیان کرتے ہیں جو لخصوص قطعہ کے عین مطابق ہے اور بفضلہ تعالیٰ وہ جنت کے وارث ہیں آپؐ اپنی اور اپنے صدر الافاضل کی فکر کیجئے، جن کی خاطر تعصب اور ضد میں اگر آپؐ بے جا تاویلیں بھی کرتے ہیں اور دوسروں پر خالص جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اہل علم کی عبارات سمجھنے سے بھی یکسر قاصر ہیں اور جبل مرکب کا خالص مجسمہ ہیں مگر اپنی جماعت سے داد تحسین حاصل کرنے اور محقق اور مدقق کے القاب حاصل کر رہے ہیں خواہ اسفا دیا للحبب حضرت تھانویؒ اور حضرت تھانویؒ وغیرہ بزرگ تو بقول علامہ اقبالؒ اس کا مصداق ہیں؟

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ غدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا دریا سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رانی (ضریحہ کلیم)
دلیل نمبر (۳) جواب البحر ص ۲۲۶ پر ہے۔

ورد فی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں
تعالیٰ عنہا انہا کانت مع ہے کہ ایک اندھیری رات کو وہ حضور
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ کے ہمراہ بستر پر تھیں اچانک ان کے ہاتھ
علیہ وسلم علی فراشہ فی سے سوئی زمین پر گر گئی پس وہ حضور کے
لیلۃ ظللۃ فسقط من یدھا چہرہ انور سے ظاہر ہوئی اور ام المؤمنینؓ
ابوہ الی الارض فکشفتم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے
من وجہ صلی اللہ علیہ وسلم نور سے اس سوئی کو پایا اور اٹھایا۔

فوجدتھا بنور جبینہ فرفعتھا

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد مولوی غلام رسول سعیدی صاحب نے ملا علیؒ القاریؒ اور

شاہ دلی اللہ محدث دہلوی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے حوالے بھی ذکر کیے ہیں ہم یہاں پر ان کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ملا علی القاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

بعض محققین نے بیان فرمایا کہ ہمارے نبی علیہ السلام کا جمال غایت کمال میں تھا۔ روایات سے ثابت ہے کہ آپ کی صورت کا نور دیوار پر منعکس ہوتا تھا اور وہ دیوار آئینے کی طرح آپ کی صورت نور کی حکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے جمال کو صحابہؓ کی نگاہوں سے بھی مستور رکھا کیونکہ اگر ان پر مکمل جمال ظاہر ہو جاتا تو وہ آپ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے۔ (جمع الوسائل ص ۲۶) شاہ دلی اللہ شاہ عبد الرحیمؒ سے حکایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ شاہ عبد الرحیمؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضورؐ کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپ سے سوال کیا (کہ جمال یوسف سے زنانہ مصر نے انگلیاں کاٹ لیں، آپ کے جمال سے کسی نے انگلیاں نہ کاٹیں) آپ نے فرمایا کہ اللہ نے غیرت کی وجہ سے میرے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رکھا (الانصاف العارفين ص ۳۹)

نیز ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ

ہر کیف نبی علیہ السلام کا نور مشرقاً و غرباً غایت ظہور میں ہے اور جس کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، وہ آپ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کتاب میں نور سے موسوم فرمایا۔ (موضوعات کبیر ص ۸۶)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ قَا اُنْزِلْنَا اِلَيْكُمْ نُورًا مُبِيْنًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم اُنْزِلْنَا سے بھی رسول مراد لے سکتے ہیں، چنانچہ ایک اور مقام پر ہے قَدْ اُنْزِلْنَا اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا۔ رسولاً بدل بطور تفسیر ہے ذکر آئے یہاں بھی اُنْزِلْنَا کا مفعول رسول واقع ہوا ہے۔ پس اس سے بھی تفسیر متناہ پر کوئی غبار نہیں رہا۔ (النور ص ۱۰۰)

نیز ملا علی القاریؒ ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ

نبی علیہ السلام چاند سے زیادہ حسین ہیں کیونکہ آپ کا نور آفاق اور انفس دونوں میں

ظاہر ہے اور صوری اور معنوی دونوں قسم کے کمالات کے جامع ہیں، بلکہ حقیقت یہ، ہر چیز آپ کے نور سے پیدا ہوئی اسی طرح اللہ نور السموات والارض مثل نورہ میں مثل نورہ کی تفسیر نور محمد کے ساتھ کی گئی ہے پس نبی علیہ السلام کا نور ذاتی ہے جس کا دن رات میں کسی وقت بھی انکسار نہیں ہوتا اور چاند کا نور مکتسب و مستعار ہے کبھی کم ہو جاتا ہے اور کبھی گمن لگنے سے مسلوب ہو جاتا ہے (اور دن کے اجالوں میں مانند پڑ جاتا ہے۔ سعیدی، (توضیح البیان ص ۱۷۲)۔

مولف مذکور نے یحییٰ کا دش کی بے بالکل بے سود ہے اولاً اس لیے کہ حضرت ابواب عائشہؓ کی جس روایت میں سوئی لٹنے کا ذکر ہے، وہ باطل اور موضوع ہے حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ اپنی کتاب الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوۃ میں گھڑی ہوئی اور جعلی روایات (مختلفہ موضوعہ ص ۱۶) کی مد میں لکھتے ہیں۔

و منها ما يذكره الواقف عند	اور ان (جعلی روایتوں) میں وہ روایت
ذكر الحسن المحمدي انه في	بھی ہے جس کو داعظ حسن محمدی کے ذکر
ليلة من الليالي سقطت عن	میں بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضرت
يد عائشة ابرة ففقدت	عائشہؓ کے ہاتھ سے سوئی گر گئی اور وہ
فالتسبها ولم تجد فضحك	گم ہو گئی اور انہوں نے اس کو تلاش کیا مگر
النبی صلی اللہ علیہ وسلم و	دلیل اتنے ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
خرجت لمعة اسنانه فاضأت	علیہ وسلم ہنس پڑے اور آپ کے دانتوں
الحجرة ورأت عائشة بذلك	سے نور کی ایک شعاع نکلی جس کے ذریعہ
الضوء ابر و هذا وان كان	حجرہ روشن ہو گیا اور اس روشنی کی وجہ سے
مذكوراً في معارج النبوة و	حضرت عائشہؓ نے سوئی دیکھ لی اور یہ
غيره من كتب السير الجامة	اگرچہ معارج النبوة وغیرہ سیرت کی کتابوں
للرطب واليابس فلا يستند بكل	میں جن میں رطب و یابس سب کچھ ہوتا ہے

ما فیہا الا المناکم والناس مذکور ہے لیکن ان میں درج شدہ ہر چیز
 لکنہ لم یثبت روایت و روایت سے صرف وہی استناد کرے گا جو سویا
 انتہی الآثار المرفوعة فی الاخبار ہوا ہو یا دنگہ رہا ہو مگر یہ روایت روایت
 الموضوعۃ ص ۲۷۵ اور روایت ثابت نہیں۔

ایسی جعلی اور من گھڑت روایت سے جو نہ روایت ثابت ہے اور نہ روایت مؤلف مذکور
 کو کیا فائدہ ہے۔ یولانیہ سلیمان ندویؒ اس روایت کے بارے لکھتے ہیں یہ بالکل جھوٹ ہے
 ر سیرت النبی ج ۳ ص ۱۶۶) ڈانٹا یہ روایت بخاری اور مسلم وغیرہ کی صحیح روایت کے خلاف ہے۔
 حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ۔

کنت انا م بین یدی رسول اللہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
 صلی اللہ علیہ وسلم ورجلی فی سامنے سویا کرتی تھی اور میرے دونوں
 فی قبلتہ فاذا سجد غمز فی پاؤں آپ کے قبلہ کی طرف ہوتے تھے
 فقبضت رجلی واذا قام جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے دہلتے تو میں
 بسطھما قالت والبیوت اپنے پاؤں ہمیشہ لیتی اور جب آپ کھڑے
 یومئذ لیس فیہا مصایح ہوجاتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی اور گھروں
 (بخاری ج ۵ ص ۵۷۵ و مسلم ج ۱ ص ۱۹۸) میں اس زمانہ میں چراغ نہیں ہوتے تھے
 اہم نو دوی لیس فیہا مصایح کی شر میں لکھتے ہیں کہ

ارادت بہ الاعتدال لقول ارادت بہ الاعتدال لقول
 لو کان فیہا مصایح لقبضت غدر پیش کرتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ اگر گھر
 رجلی عند ارادة السجود ولما میں چراغ ہوتے تو آپ کے سجدہ کے
 احوجتہ الی غمزی انتہی وقت میں پاؤں غدر سیٹ لیتی اور آپ
 (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۹۸) کو مجھے دہانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔
 اور علامہ عینی لکھتے ہیں۔

والمعنى لو كانت المصاييح مطلب یہ ہے کہ اگر چراغ ہوتے تو آپ
لقبضت رجلی عند اداۃ کے سجدہ کے وقت میں پاؤں خود سمیٹ لیتی
السجود ولما احوجتہ الی اور آپ کو میرے (بدن کے) دبائے کی
عنہی رعمدة القاری ج ۴ ص ۱۱ حاجت نہ پڑتی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی یہ صحیح روایت اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی حجرہ میں اندھیرا رہتا تھا اور جب آپ رات کو نماز
پڑھتے اور چراغ نہ ہوتا تو آپ اپنے ہاتھ مبارک سے حضرت عائشہؓ کا بدن دباتے، تاکہ وہ اپنے
پاؤں سمیٹ لیں اور آپ سجدہ کر سکیں اور بقول امام نوویؒ اور علامہ عینیؒ یہ اس لیے ہوتا تھا کہ
گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے اور اندھیرے کی وجہ سے آپ کو دبائے کی یہ زحمت گوارا
کرنا پڑتی تھی، ورنہ حضرت عائشہؓ صدیقہ آپ کو یہ تکلیف نہ دیتیں۔ اگر آپ کے نور کی روشنی
ہوتی تو اس روشنی کی وجہ سے وہ خود بخود اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں اور کسی بھی صاحب بصیرت
پر یہ مخفی نہیں کہ آپ کے گھر میں اجیاناً چراغ جلتا تھا، اگر گھر میں آپ کے نور کی روشنی ہوتی
تو چراغ جلانے کی کیا ضرورت تھی؟ دلائل حضرت ملا علی القاریؒ کی جمع الوسائل کے حوالہ
سے جو استدلال مؤلف مذکور نے کیا ہے، وہ غلط ہے اس لیے کہ ملا علی القاریؒ اس روایت
کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: علی ماردی ان صورتہ الخ جیسا کہ روایت کیا گیا ہے یہ روایت
کس کتاب میں ہے، اس کی سند کیا اور کیسی ہے؟ اس کا کچھ پتہ نہیں تو ایسی مجہول السناد اور بے
ثبوت روایت سے استدلال کا کیا معنی؟ مؤلف مذکور کی دیدہ دلیری اور دہل ملاحظہ کیجئے
کہ وہ علی ماردی کا معنی کرتے ہیں، روایات سے ثابت ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور
یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ عقائد باطلہ اور اعمال بدعویہ دہل اور طلبیس کے سوا ثابت بھی
نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت ملا علی القاریؒ نے
مرقات میں پہلے یہ تحریر فرمایا ہے۔

قال ابن حجر اختلف الروایات ابن حجر فرماتے ہیں کہ اول مخلوقات کے

فی اول المخلوقات وحاصلها
 كما بينتها في شرح شمائل
 الترمذي ان اولها النور
 الذي خلق منه عليه الصلوة
 والسلام ثم الماء ثم العرش
 الخ (مرقات ج ١ ص ١٢٦)

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک بات تو یہ کہ اس مقام میں وہ ذلوق سے اول المخلوقات
 نور مجدی لکھتے ہیں اور دوسری یہ کہ جمیع الوسائل بشرح شمائل الترنذی انہوں نے مرقات سے پہلے
 تصنیف فرمائی ہے جس کا حوالہ وہ مرقات کی اس عبارت میں دے رہے ہیں۔ اس کے
 بعد وہ مرقات میں لکھتے ہیں کہ

ثم رأيت في الدر المنثور نقلاً
 عن ابن عباس أن أول شيء
 خلقه الله القلم فقال له
 اكتب فقال يارب وما اكتب
 قال اكتب القدر يجري من
 ذلك بما هو كائن الى ان
 تقوم الساعة ثم طوى الكتاب
 ورفع القلم رواه البيهقي
 وغيره والحاكم وصححه
 وفي الدر الايض عن ابى هريره
 قال سمعت رسول الله صلى الله
 عليه وسلم يقول ان اول شيء

خلق الله القلم ثم النور و
 هي الدواة الى ان قال وروى ان
 اول ما خلق الله العقل وان
 اول ما خلق الله نوري وان
 اول خلق الله روحى وان اول
 ما خلق الله العرش والاولية
 من الامور الاضافية فيقول
 ان كل واحد مما ذكر قبل
 ما هو من جنسه فالقلم خلق
 قبل جنس الاقلام ونوره
 قبل الانوار والا فقد ثبت
 ان العرش قبل خلق السموات
 والارض فتطلق الاولية على
 كل واحد بشرط التقييد
 فيقال اول المعانى كذا واول
 الانوار كذا ومنه قوله اول
 ما خلق الله نوري وفي رواية
 روحى ومعناها ما واحد فان
 الارواح نورانية اى اول ما
 خلق الله من الارواح روحى
 اه (موقات ج ۱ ص ۱۶۷)

اللہ تعالیٰ نے قلم پھر دوات پیدا کی پھر
 فرمایا، اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ سب
 سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل پیدا کی ہے
 اور یہی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا
 نور پیدا کیا ہے اور یہ بھی سب سے پہلے
 اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی اور یہ
 بھی کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عرش
 پیدا کیا اور اولیت اضافی امور میں سے ہے
 تو اس کی یہ تاویل کی جائے گی کہ اولیت
 ہر چیز کی جنس کے لحاظ سے ہوگی مثلاً اقلام
 کی جنس میں قلم تقدیر اور انوار کی جنس میں
 آپ کا نور پہلے پیدا ہوا ورنہ ثابت ہو چکا
 ہے کہ عرش آسمانوں اور زمین سے پہلے پیدا
 ہوا ہے، تو اولیت ہر ایک پر بشرط قید اولی
 جائے گی، مثلاً اول معانی میں فلاں چیز اور
 اول انوار میں فلاں ہے اور اسی سے ہے
 آپ کا یہ ارشاد کہ اول ما خلق اللہ نوری
 اور ایک روایت میں روحی ہے اور دونوں
 کا مطلب ایک ہے، کیونکہ ارواح نورانی ہیں
 یعنی اللہ تعالیٰ نے ارواح میں سب سے
 پہلے میری روح پیدا کی۔

اس عبارت سے یہ امر بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت ملا علی القاریؒ کے سامنے پہلا

حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ مرفوع روایت ان اول ما خلق اللہ القلم نہ تھی اس صحیح روایت کے اور اسی طرح اولیت کی دیگر بعض روایات کے سامنے آجہ نے سے وہ اولیت کو وہ اضافیہ پر حمل کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، اگر فوراً ہی ان کی تحقیق میں اول الخلق ہوتا تو اپنی پہلی تحقیق پر جسے رہتے اور ان کو اول اضافی کی تائید کی ضرورت پیش نہ آتی اور ثم رأیت فی اللہ التثویر کے الفاظ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ یہ تفصیل پہلے ان کے سامنے نہ تھی، ورنہ وہ پہلے ہی اولیت کو اضافی پر حمل کرتے۔ واربعاً انقاس العادین کی عبارت سے عوالت مذکور کو کیا فائدہ ہے؟ آپ کے جن و جمال کا کون مسلمان منکر ہے لیکن اس جمال کی وجہ سے اُس نورانیت اور روشنی کا کیا ثبوت ہے کہ اندھیرے میں گہری پڑی سوئی مل جائے یا درو دیوار روشن ہو جائیں بلکہ خود یہ عبارت ان کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ آپ کے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رکھا گیا ہے۔ ظاہر امر ہے کہ حتیٰ لو کہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل اور مستور نہیں ہوا کہ تادمہ لوہر کہ دمہ کو عیاناً نظر آتا ہے اور آسکتا ہے و خامش حضرت علیؓ کی موضوعات کبیر میں جس نور کا ذکر ہے وہ حتیٰ نہیں، بلکہ معنوی نور ہے جس کو نور نبوت اور رسالت اور نور ہدایت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا ہے اور خود ان کی عبارت میں شرقاً و غرباً کے الفاظ اس کا واضح قرینہ ہے اور اس نور سے حتیٰ نور قطعاً مراد نہیں جو ہر ایک کو ظاہراً نظر آئے کیونکہ موضوعات کبیر صراحتاً میں اسی عبارت کے آگے یہ الفاظ بھی ہیں۔

لکن ہذا النور لیس لہ

لیکن یہ نور ظاہر نہیں ہے۔

الظہور الخ

اگر حتیٰ نور ہوتا تو یقیناً اس کا ظہور ہوتا اور وہ کسی پر مخفی نہ رہتا کہ لا ینحیٰ چونکہ یہ الفاظ موقوف مذکور کے سراسر لطافت میں جیسا کہ بالکل عیاں ہے اس لیے وہ ان کو پی گئے ہیں مفید مطلب ہدایت، توافل کردی ہے اور ان الفاظ کا حوالہ ہی نہیں دیا، تاکہ قلعی نہ کھل جائے۔ و سادساً

محدث القالی کے نزدیک نور تبتیل سے منشا تفسیر میں قرآن کریم مراد ہے جیسا کہ ان کی منقولہ

عبارت میں اس کی تصریح ہے اور بیان القرآن چہ میں، ایں انزلنا الیکم نوراً مبیناً کے ترجمہ اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے اور وہ قرآن مجید ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے درمیان سے جو کچھ تم کو بتلایا جاوے، وہ سب حق ہے الخ اور نور و کتاب مبین کے عربی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ۔

اشارۃ الی کون عطف الکتاب اس میں اشارہ ہے کہ لفظ کتاب کا عطف
للتفسیر فہما متغائران بالصفة تفسیر کے لیے ہے اور یہ دونوں لفظ صلت
منحد ان بالذات ولذا حسن کے لحاظ سے متغائر ہیں اور ذات کے اعتبار
افراد الضمیر فی بہ و بہذا سے متحد ہیں اور اسی لیے ہم میں مفرد ضمیر کا
التفسیر حسن اسناد الہدایۃ اچھا ہے اور اسی تفسیر کے لحاظ سے ہدایت
ہمنا الی اللہ تعالیٰ وجعل الکتاب کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف اچھی ہے کہ
والنور سبباً و اسناد التبیین اس نے کتاب اور نور کو ہدایت کا سبب
فیما قبل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اما اذا فسر النور
بالرسول لا یحصل هذا الحسن علیہ وسلم کی طرف اچھی ہے اور اگر لفظ
وموید تفسیریں ہذا قولہ نور کی تفسیر رسول کے ساتھ کی جائے تو یہ
تعالیٰ وانزلنا الیکم نوراً اچھا حاصل نہیں ہوتی اور میری اس تفسیر
مبییناً وارید بہ الکتاب کا موید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وانزلنا
قطعاً انتہی۔ ایک کث نوراً مبیناً اور اس سے قطعی طور پر
(رج ص ۵۷ حاشیہ نبوی طبع مجتہائی دہلی) کتاب مراد ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بقول حضرت تھانویؒ نوراً مبیناً سے مراد قطعی طور پر تو صرف کتاب ہے جس کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ ان صرف احتمال کے درجہ میں وہ تفسیر بھی نقل کرتے ہیں کہ نور سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہو اور آپ کی بشریت

کا وہ واضح طور پر اقرار و اثبات کرتے ہیں کہ اگر آپ کی ذات کو بشیر تسلیم کر کے آپ کو نور ماننے کا مطلب یہی ہے کہ آپ نور ہدایت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور نبوت دے کر کل جہاں کو نور توحید اور نور ایمان و اسلام سے منور کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پورا ہو گیا ہے کہ
 وَاللّٰهُ مُتِمِّمٌ نُّوْرِهِ وَاَكْمِلُكُمْ

الْعُسْرَ كُنَّ ۝
 کرے گا اور اگرچہ مشرک اس کو ناپسند کریں

وسالجا حضرت ملا علی القاریؒ کی جمع الوسائل میں جس نور کا ذکر ہے، وہ معنوی نور ہے نہ کہ حسی جو مؤلف مذکور کا مطلب ہے کیونکہ آفاق اور انفس میں جس نور کا فیض پہنچا ہے اور پہنچتا ہے وہ معنوی نور ہے جو نور نبوت اور نور ہدایت ہے اور یہ جملہ بھی اس کا مؤید ہے کہ آپ صوری اور معنوی دونوں قسم کے کمالات کے جامع ہیں۔ اسی طرح مثل نورہ میں آپ کے جس نور کا ذکر ہے، وہ نور نبوت اور نور ہدایت ہے اس میں کیا شک ہے؟ اور آپ کے نور کے ذاتی جوئے کا وہی مطلب ہے جو حضرت نانوئیؒ کی عبارت کی روشنی میں گزر چکا ہے کہ اولاً بالذات وہ آپ کو مرحمت ہوا اور آپ کے فیض سے بالعرض سب انبیاء کو پہنچا، آپ کا نور مخلوق میں سے کسی سے مکتب نہیں، صرف اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور چاند کا نور سورج سے مکتب ہونے کے باوجود گمن میں آجاتا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور نبوت اور نور ہدایت کبھی کفر و شرک کے گمن میں نہیں آیا اور نہ کبھی دلائل و براہین کی مد میں مغلوب ہوا ہے اور اس دور میں بھی لوگ مسلمان ہوئے۔ جب کہ دنیا میں کفر و شرک کا ہر طرف دور دورہ تھا اور ظاہری طور پر دنیا کے کسی ملک میں مسلمانوں کا (بجز چند ایک کے) کوئی اقتدار نہ تھا جو کسی کی کشش کا باعث ہوتا اور اس ایمانی اور اسلامی نور کو دنیا کے کفر نے مٹانے کی از حد کوشش کی ہے، مگر بفضلہ تعالیٰ۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زلن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

باب سوم

ناظرین کرام! ہم اس باب میں احادیث صحیحہ اور محدثین عظام کے اقوال نقل کر کے یہ ثابت کریں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا اور فریقِ مخالفت جن روایات سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ ان کے جوابات بھی عرض کرتے ہیں۔ (فیاض)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ہونے کا ثبوت

دلیل نمبر (۱) امام حاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحافظ (المتوفی ۴۰۵ھ) اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ

بينما النبي صلى الله عليه وآله وسلم يصلي ذات ليلة ازهد ثم اخسها فقلنا يا رسول الله رأيناك صنعت في هذه الصلوة شيئا لم تكن تصنعه فيما قبله قال اجل انه عرضت على الجنة فرأيت فيها دالية قصوفها دالية فاردت ان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، پھر پیچھے ہٹا لیا پس ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو اس نماز میں ایسی کارروائی کرتے دیکھا ہے جو آپ نے اس سے قبل نہیں کی فرمایا ہاں بلاشبہ مجھ پر جنت پیش کی گئی، تو میں نے اس میں اپنے درخت دیکھے جن کے گچھے نیچے کو جھکے ہوئے تھے، تو میں نے

اتناول منها شيئاً فافحى الى
ان استأخر فاستأخرت وعصت
على النار فيما بيني وبينكم
حتى رأيت ظلي و ظلكم
فيما فاء وميت اليكم ان
استأخروا فافحى الى ان
اقهرهم فانك اسلمت واسلموا
وهاجرت وهاجرت وجاهدت
وجاهدوا فلم ارك فضلًا
عليهم الا بالنوبة فاقلت ذلك
ما يلقي امتي بعدى من الفتن
انتهى۔ (مستدرک ص ۲۵) قال الحاكم
والذهبي صحيح

ارادہ کیا کہ ان سے کچھ لے لوں پس میری
طرف دجی آئی یہ کہ پیچھے ہٹ جا سوں میں
پیچھے ہٹ گیا اور مجھ پر دوزخ بھی پڑش کی
گئی جو میرے اور تمہارے درمیان تھی یہاں
تک اس کی آگ کی مدد نشی میں میں نے اپنا اور
تمہارا سایہ دیکھا پس میں نے تمہیں اشارہ کیا
کہ پیچھے ہٹ جاؤ، سو میری طرف دجی آئی
کہ ان کو ان کی جگہ پر لٹکا رہتے دے،
کیونکہ تو نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے
بھی تو نے بھی ہجرت کی اور انہوں نے
بھی تو نے جہاد کیا انہوں نے بھی پس میں
قیری ان پر بجز نبوت کے اور کوئی فضیلت
نہیں دیکھتا پس میں نے اس سے یہ نتیجہ
نکالا کہ میری امت میرے بعد قتلوں میں
جیتلا ہوگی۔

امام حاکم اور ناقدین رجال علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ ذہبی (المتوفی ۵۰۵ھ) دونوں
فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ حافظ ابن القیم الحمبلی (المتوفی ۷۵۰ھ) نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔
ملاحظہ ہو حادی الارواح الی بلاد الافراح ص ۱۳ طبع مصر اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا جس طرح کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا سایہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ
نے دوزخ کی آگ کے شعلوں کی روشنی میں اپنا سایہ بھی دیکھا اور حضرات صحابہ کرامؓ کا سایہ بھی
دیکھا اگر آپ کا سایہ نہ ہوتا تو اس آگ کی روشنی میں اپنا سایہ دیکھنے کا کوئی معنی نہیں جیسا
کہ کسی بھی صاحب فہم و بصیرت سے یہ مخفی نہیں ہے!

اعتراض

اگر قرآن کی طرف التفات کیے بغیر محض لفظ ظل کے اطلاق سے تاریک سایہ

ثابت ہو جاتا ہے تو حدیث مبارک میں سبعة یظلہم اللہ بظلمہ

اور لوم لا وظل الا ظلمہ سے کیا، اللہ تعالیٰ کے لیے بھی العیاذ باللہ سایہ ثابت کیجئے گا ثانیاً

یہ کہ روایت ظلی و ظلمہ فیہا یعنی میں نے دوزخ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا اس جملہ

میں ظل اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہے کیونکہ دوزخ کی آگ دنیاوی آگ کی طرح روشن نہیں

ہوتی، چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب صفۃ النار فضل ثانی کی پہلی حدیث میں ہے فہی سودو

مظلمہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے۔ دیوبندیوں نے حدیث کے ترجمہ میں اپنی طرف

سے یہ بڑھانا کہ اس آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا علمی بے مائیگی کے سوا

کچھ نہیں کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے، دہاں روشنی کا کیا کام پھر کس قدر حیرت ہے

کہ اپنے ناپاک عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے حدیث میں تصرف کیا اور روشنی کا لفظ بڑھا کر

سائے کے جواز کا چور دروازہ نکال لیا اور اسی طرح جو بات حضور نے نہیں فرمائی اسے آپ

کی طرف منسوب کر کے العیاذ باللہ جہنم کے سیاہ اندھیروں میں اپنا مقام بنالیا۔ بہر حال دو

طرح ثابت ہو گیا کہ یہاں ظل کا لفظ اپنی اصل پر محمول نہیں، ایک تو اس لیے کہ آپ نور ہیں

اور نور کا سایہ نہیں ہوتا، دوسرا اس لیے کہ جہنم میں سایہ دکھائی دینا معقول ہی نہیں ہے کیونکہ

جہنم تو سیاہ تاریکی ہے اور سایہ روشنی میں متحقق ہوتا ہے پس ان دو قریبوں سے متین ہو گیا

کہ یہاں پر لفظ ظل مجاز پر محمول ہے اور ظل مجازی طور پر شخص کے معنی میں آتا ہے معالم التنزیل

میں ہے وقیل ظلالہم ای اشخاصہم پس معنی حدیث یہ ہے کہ میں نے جہنم کو دیکھا اور اس میں

اپنے اور تمہارے اشخاص کو دیکھا اور جہنم میں دیکھنے سے حضور نے یہ تعبیر کی کہ آپ کے سوال

کے بعد اُمت فتنے میں مبتلا ہوگی، باقی جہنم میں دیکھنے کا مطلب مجاز بالمشافہ کے طور پر یہ

بھی ہو سکتا ہے کہ خود یا صحابہ کو جہنم کے قریب یا اس کے کنارے دیکھا ہو اور اگر خود جہنم

میں دیکھنا بھی وارو ہو تو مراد اللہ وہ کس طرح تفتیش شان کا موجب نہیں، کیونکہ جہنم میں ہونا

صرف کفار کے لیے موجب عذاب و امانت ہے۔ ہر ایک کے لیے نہیں اور نہ خزانہ جہنم

بھی تو جہنم میں موجود ہیں اور مائیکم الادارہ دھاک کے تحت مفسرین کہتے ہیں کہ تمام مومنین کا جہنم سے گزر ہوگا، مگر ان کے لیے یہ باعثِ نشاط و سرور ہوگا اور کفار کے لیے یہ ہی گزر موجبِ عذاب و امانت ہوگا (توضیح البیان ص ۱۸۴، ۱۸۵)

الجواب | مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ کہا ہے مردود ہے اولاً اس لیے کہ عربی دان بھرا اللہ تعالیٰ بکثرت موجود ہیں کسی لائق عربی دان ثالث سے دریافت کر لیں کہ وضعت علی النار فیما بینی و بینکم حتی رأیت ظلی و ظلکم فیہا کا ترجمہ اور مطلب کیا ہے ؟ اللہ اللہ العزیز کوئی منصف مزاج عربی دان اس عبارت کا مطلب اور ترجمہ اس کے بغیر اور کچھ نہیں بیان کرے گا کہ اور مجھ پر دوزخ بھی پیش کی گئی جو میرے اور تمہارے سامنے تھی، یہاں تک کہ اس کی آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا اور اگر مؤلف مذکور کا بیان کردہ معنی ہی ہم لے لیں کہ میں نے آگ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا تو پھر بھی ہمارا مدعی واضح ہے اور اس ترجمہ سے مؤلف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ کسی بھی ذی علم اور صاحب بصیرت سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔ وثانیاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا جسم نہیں گولطیف ہی سہی اس لیے اس کا سایہ عقلاً بھی نہیں ہو سکتا۔ بخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کا جسم مبارک تھا گولطیف ہی، چنانچہ خان صاحب بریلی لکھتے ہیں کہ وہ بشر ہیں، مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف اور جسم انسانی رکھتے ہیں، مگر ادراج و ملائکہ سے ہزار جگہ لطف اہد (نفی الفی ص ۱) اور جسم بشر آدمی اور انسان کا سایہ ہونا عقل کے عین مطابق ہے اور صحیح حدیث سے ثابت بھی ہے کہ اس لیے بظلمہ اور الاظلمہ سے حقیقت مراد نہیں، بلکہ مجاز مراد ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ مراد ہے، کیونکہ عرش بھی جسم ہے اور اس کا سایہ ہے اور الجامع الصغیر ص ۱۲ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں سبعة یظلہم اللہ تحت ظل عرشہ یوم لا ظل الا ظلمہ الحدیث وقال ابن السراج المبیح ص ۲۹۹ میں ہے۔ باسناد حسن۔ اس مرفوع صریح اور حسن حدیث سے واضح ہو گیا کہ ظل اللہ سے (بجذوف مضاف ظل عرش مراد ہے اور ایک اور حدیث میں ویظل علیہم النہام الحدیث کے الفاظ آتے

یہ بھی یاد رہے کہ نحوی طور پر ضمائر ذات پر دال ہیں۔ یہاں غلطی میں حرف یا ضمیر متکلم ہے جو ذات اور شخص پر دلالت کرتی ہے اسی طرح وظلمکم میں لفظ کم ضمیر مخاطب ہے جو ذات پر دال ہے اور اگر یہاں ظل سے مراد بھی ذات اور شخص ہو تو اضافۃ الشیء الی نفسہ لازم آتی ہے جو درست نہیں یہی وجہ ہے کہ معالم النازل وغیرہ میں اس تفسیر اور توجیہ کو لفظ قیل سے تعبیر کیا ہے جو عموماً ضعت اور کمزوری پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وہاں بھی وظلالہم میں ضمیر ہم مضاف الیہ موجود ہے تو اس لحاظ سے اضافۃ الشیء الی نفسہ لازم آتی ہے اور یہ ضعیف و کمزور توجیہ ہے درالبعاء مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ مولوی سرفراز صاحب نے اپنے کمزور مطالعہ اور علمی بے مائیگی کے تحت مشکوٰۃ شریف باب صفۃ التائب ثانی کی پہلی حدیث نہیں دیکھی، جس میں آتا ہے۔ فی سوداء مظلمۃ کہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے، لہذا اپنی طرف سے آگ کی روشنی کا لفظ بڑھانا علمی بے مائیگی ہے، کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ ہے، وہاں روشنی کا کیا کام؟ لیکن یہ سب کچھ مؤلف مذکور کی نری جہالت ہے۔ ایک تو اس لیے کہ یہ حدیث ترمذی میں مذکور ہے اس کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وحدیث ابی ہریرۃ هذا موقوف کہ صحیح تریات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ اصح ولا اعلم لحداً دفعہ کی یہ روایت موقوف ہے مجھے معلوم نہیں غلیب یحییٰ ابن ابی بکیر کہ یحییٰ ابن ابی بکیر کے علاوہ کسی اور نے من شیک (ترمذی ص ۳۵) اس کو شریکیت سے مرفوع بیان کیا ہو۔

اور اس میں جو راوی شریکیت ہیں، وہ باوجود ثقہ ہونے کی حدیث میں غلطی کر جاتے تھے۔ امام ابراہیم بن سعید الجوهری فرماتے ہیں کہ انہوں نے چار سو حدیث میں غلطی کی ہے اور امام ازہری فرماتے ہیں کہ وہ سب الحفظ کثیر الوہم اور مضطرب الحدیث تھے (محصلاً تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۲) غرض کہ یہ روایت نہ تو مرفوع ہے اور نہ اصول حدیث کے لحاظ سے صحیح ہے، لہذا اس پر جواب کی بنیاد رکھنا درست نہیں ہے اور دوسرے اس لیے کہ جہنم کے مختلف طبقات ہیں، وہاں آگ بھی ہے اور زہریر بھی ہے اور اسی طرح طبقہ اور طبقہ آگ اور آگ کا فرق

اور تفادد ہے اور حدیث قالت النار رب اكل بعضی بعضا الحدیث (مسلم ج ۲ ص ۲۲۴) اس کی واضح دلیل ہے، اگر کسی طبقہ کی آگ سودا غ مظلّمہ ہو اور کسی طبقہ کی روشن ہو تو اس میں کیا اشکال ہے؟ جب کہ قرآن کریم میں ناراً ذات لبیب کا ذکر ہے کہ آگ شعلوں والی، خالص جب نارحامیتہ کا معنی کرتے ہیں، آگ شعلے مارتی اور ناراً ذات لبیب کا ترجمہ کرتے ہیں لپٹ مارتی آگ اور ابھی صحیح مسلم کی روایت لفتح کا لفظ جس کے معنی شعلہ کے ہوتے ہیں۔ بیان ہو چکا ہے۔ اندر میں حالات جنم کی آگ کے شعلوں کا اور اس کی روشنی کا انکار کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ صراح ص ۵۴ میں لبیب کا معنی زبائہ آتش یعنی آگ کا شعلہ کیا ہے۔

دلیل نمبر (۲) | حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، اور اس سفر میں بعض دیگر اذواج مطہرات بھی آپ کے ساتھ تھیں حضرت صفیہؓ

کا اونٹ بیمار ہو گیا، حضرت زینبؓ کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اونٹ تھا، آپ نے فرمایا کہ صفیہ کا اونٹ بیمار ہے۔ اے زینبؓ اگر اسے تو اپنا فالو اونٹ دے دے تو بہتر ہوگا انہوں نے کہا کیا میں اس یودیہ کو اونٹ دے دوں، ان کے اس نازیبا جواب سے آپ ناراض ہو گئے اور آپ نے ذوالحجہ محرم دیا تین ماہ حضرت زینبؓ کے پاس جانا ہی ترک کر دیا!

قالت حتی یئست منه وحولت حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ میں آپ سے

سویری قالت بینما انا یوما ناامید ہو گئی اور میں نے اپنی چارپائی وہاں

بنصف النہار اذا انا بظلم سے ہٹا دی، فرماتی ہیں کہ میں اسی حالت میں

رسول اللہ صلی اللہ مقبلاً الخ تھی کہ اچانک ایک دن دوپہر کے وقت

رطبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۳۷ الطبع بیروت میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ

دیکھا جو میری طرف آ رہا تھا۔

اس حدیث کے راوی یہ ہیں۔

(۱) عفان بن مسلم (صحاح ستہ کے راوی ہیں) امام عجلّیٰ ان کو ثقہ اور مثبت کہتے ہیں امام ابوالقاسم ان کو ثقہ امام اور متفق کہتے ہیں۔ علامہ ابن سعد ان کو ثقہ کثیر الحدیث مثبت اور رحمت کہتے ہیں

اہم ابن خراشؒ ان کو ثقہ من خیار المسلمین اور محدث ابن قانعؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔

اہم ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۳۱ و ص ۲۳۲)

(۲) حماد بن سلمہ (یعنی ذہبیؒ ان کو الہام الحافظ اور شیخ الاسلام کہتے ہیں) (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۹)

(۳) ثابت بنانیؒ (یہ بھی صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں) اہم نسائیؒ اور علیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔

علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ص ۲۳۱)

(۴) شیعہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں مقبولۃ من الثالثة (تقریب ص ۴۷ طبع فاروقی دہلی)

کہ تیسرے طبقے کے راویوں میں سے ہے اور مقبول ہے اور ان پر کسی کی کوئی جرح منقول نہیں ہے۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

غرضیکہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔

اور یہ روایت مسند احمد اور مجمع الزوائد میں بھی ہیں اس کے الفاظ آخر میں یوں ہیں۔

فلما كان شهر ربيع الاول

یعنی جب ربيع الاول کا مہینہ آیا تو آپ

دخل عليها فرائت ظلة فقامت

میرے پاس آئے، فرماتی ہیں کہ جب میں

ان هذا الظل رجل وما

نے آپ کا سایہ دیکھا تو میں نے کہا کہ یہ سایہ

يدخل على النبي صلى الله

کو مرد کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

عليه وسلم فمن هذا؟

میرے پاس آتے نہیں، تو یہ کون ہے اتنے

فدخل النبي صلى الله عليه

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہو گئے

وسلم (مسند احمد ص ۳۳۶)

ومجمع الزاويد ص ۳۳۳)

مسند احمد کے راوی یہ ہیں۔

(۱) عبد الرزاق (الحافظ اکبر) جن کو بے شمار محدثین نے ثقہ کہا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۳۳)

(۲) جعفر بن سلیمان اہم احمدؒ ان کو اباس بہ اور اہم ابن سعیدؒ ثقہ کہتے ہیں۔ علامہ ابن سعدؒ

کو ثقہ اور امام ابو احمد حسن الحدیث کہتے ہیں امام ابن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔ امام بزارؒ ان کو مستقیم الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۹۵ تا ص ۹۶ مسلسل)

(۱) ثابت بنائی (ان کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے)

(۲) شمسہ (ان کا تذکرہ بھی پہلے گزر چکا ہے)

(۵) حضرت صفیہ بنت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اس روایت کے جملہ وارث بھی ثقہ ہیں۔

اس حدیث میں بھی ظل سے مراد شخص ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا، اس لیے ہمارے نزدیک اس حدیث میں

اعتراض

بھی ظل شخص کے معنی پر محمول ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے (توضیح البیان ص ۱۸۵ و ۱۸۶)

مؤلف مذکور کا یہ جواب بھی سراسر باطل ہے اذلا اس لیے کہ اس میں بھی اضافۃ الشیء الی نفسه لازم آتی ہے ڈانیا اس لیے کہ مسند احمد اور مجمع الزوائد

اجواب

کی حدیث کے الفاظ اس باطل تاویل بلکہ تحریف کی بیخ کنی کرتے ہیں۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فلما کان شہر ربیع الاول یعنی جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو آپ

دخل علیہا فرأیت ظلہ فقالت میرے پاس آئے، فرماتی ہیں کہ میں نے

ان ہذا الظل رجل وما یدخل آپ کا سایہ دیکھا تو فرمائے لگیں کہ یہ

علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ سایہ تو مرد کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ

فمن ہذا؟ فلدخل النبی علیہ وسلم تو میرے پاس آئے نہیں تو یہ

صلی اللہ علیہ وسلم۔ کون ہے اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ

رمسند احمد ج ۲ ص ۲۳ و مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۳ وسلم داخل ہو گئے۔

اگر سایہ سے مراد آپ کی ذات اور شخص ہے جیسا کہ مؤلف مذکور کا بے بنیاد دعویٰ ہے تو

کیا حضرت زینبؓ نے آپؐ کی ذات اور شخص کو دیکھ کر بھی نہ پہچانا اور حیرت کا اظہار کرنے لگیں کہ کون ہے؟ سایہ میں کراہتا ہوا ہو سکتا ہے، لیکن نفسِ شغیبت میں کیا اشتباہ تھا جس پر ان کو حیرت ہوئی؟ اور حدیث کے آخر کے الفاظ مزید وضاحت کرتے ہیں۔ فخرِ خلیل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ سایہ پہلے نظر آیا اور آپؐ بعد کو داخل ہوئے اور مؤلف مذکور کی تحریف کے پیشِ نظریہ مطلب ہوگا کہ آپؐ کا شخص اور وجود پہلے نظر آیا اور داخل ہوا، اس کے بعد آپؐ داخل ہوئے۔ کیا ایسے عمل اور بے سرو پا معنائی سے شریعت اور حدیث کا مذاق نہیں اڑایا جا رہا؟ معاذ اللہ تعالیٰ والفقہ لخصوصِ قطعیہ احادیث متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشرِ قطعی اور بشرِ کاسایہ ایک لازم امر ہے۔ بخلاف آپؐ کے نور ہونے کے کہ کسی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل سے آپؐ کا نور ہونا ثابت نہیں ہے۔ اگر ایک تفسیر کے دوسے نور سے آپؐ کا نور ہونا ثابت ہے، تو وہ صرف ایک احتمال کے درجہ میں ہے اس کو قطعیت ہرگز حاصل نہیں، پھر یہ نور آپؐ کی صفت ہے نہ کہ ذات کیونکہ ذات آپؐ کی بہر حال بشر ہے اور آپؐ کا سایہ یقیناً تھا۔

ان صحیح روایتوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باقاعدہ سایہ تھا جب انصوصِ قطعیہ سے آپؐ کی بشریت ثابت ہے، تو بشریت کے تمام لوازمات جن میں ایک سایہ بھی ہے ثابت ہے۔!

سایہ کا انکار کرنا دراصل شیعہ کا مذہب ہے

چنانچہ شیعہ کی مستند کتاب الکافی مع الصافی ج ۱ ص ۱۵۲ میں ہے ولعل لیکن له فی الخ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ مشہور شیعہ عالم خلیل قزوینی اس کا مطلب یہ کرتے ہیں کہ وزبہ وادرا سایہ یعنی ہمیشہ ابری میان آپؐ کا سایہ نہ تھا یعنی ہمیشہ بادل آپؐ

اور قرص آفتاب بود الخ کے درمیان اور سورج کی ٹیچہ کے درمیان
(الصافی جلد سوم حصہ دوم ص ۵۲ طبع مکتبہ حائل رہتا تھا۔

ان کی اس تاویل سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ سے سائے کی جو نفی ہو رہی ہے
اس پر وہ بھی مطمئن نہیں ہیں اور تاویل پر مجبور ہیں، لیکن قطع نظر اس کے کہ ہمیشہ آپ کے
سر مبارک پر بادل کے سائے کا کسی صحیح حدیث سے ثبوت نہیں ہے۔!

بریلوی عالم غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ اگر سایہ نہ ہونے
کا مسئلہ شیعوں کا ہے تو کیا حضرت عثمانؓ، حضرت ابن عباسؓ، امام سیوطی

اعتراض

شافعیؒ، قاضی عیاض مالکیؒ، علامہ ابوالبرکات نسفی حنفیؒ، ملا علی القاری حنفیؒ، شیخ محقق عبدالحق محدث
دہلویؒ، علامہ بنجروریؒ، شہاب الدین خواجه ابن مبارکؒ اور ابن جوزیؒ یہ تمام صحابہؓ اور اکابر ائمہ
دینؒ حضرات شیعہ تھے۔ جب عہد رسالت سے لے کر شاہ عبدالعزیزؒ تک تمام اکابر مسلمین حضورؐ

کے سایہ نہ ہونے کے قائل تھے، تو آپ کے انکار پر کون کان دھرے گا اور یہ جو آپ نے صحابہؓ
سے لے کر شاہ عبدالعزیزؒ تک تمام مسلمانوں کو بیک جذبش قلم شیعہ بنا ڈالا ہے۔ بھلا علم و

تحقیق کی کسوٹی پر ایسی بے سرو پا باتیں کرن مانے گا اور اگر واقعی سایہ نہ ہونا شیعہ کا مسئلہ ہے
تو جناب والا گستاخی معاف تو پھر سب سے بڑے شیعہ تو مولوی گنگوہیؒ ہیں جو لکھتے ہیں۔ آپ
کا سایہ نہ ہونا تو ائمہ سے ثابت ہے اور دوسرے نمبر پر مولوی اشرف علی تھانویؒ ہیں شکر النعمہ

ص ۲ پر لکھتے ہیں، یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ یا پھر
عزیز الرحمن مفتی دیوبند شیعہ ہیں جو عزیز الفتاویٰ ص ۲۱۶ پر لکھتے ہیں۔ امام سیوطیؒ نے خصائص الکبریٰ

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل کی ہے
اخرج الحکیم الترمذی عن زکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم لم یکن یرى له ضل في شمس ولا قمر الخ (توضیح البیان ص ۱۸۳ و ۱۸۴)

ان حضرات کے سامنے یقیناً وہ احادیث نہیں جو سایہ کے وجود کی باحوالہ ذکر کی گئی ہیں
اگر یہ احادیث ان حضرات کے سامنے ہوتیں تو وہ ہرگز ان کے خلاف کچھ نہ

اجواب

فرماتے۔ ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا ذکر ضرور کیا ہے اور ان کا مأخذ آجا کر کے حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے، مگر بے سند اور بے اصل روایت اور حضرت ذکوانؓ کی موضوع اور جعلی روایت ہے یا پھر ذکر و ردی وغیرہ الفاظ سے بغیر کسی سند کے اس کا ذکر ہے، پھر کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ سایہ کی مندرجہ روایات سامنے آنے کے بعد ان سے بے سر دیا روایات پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھے، چونکہ سایہ نہ ہونے کی روایات بالکل بے اصل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا تھانویؒ (وغیرہ) محتاط علماء اس حدیث کی صحت کی ذمہ داری نہیں اٹھاتے اور فرماتے ہیں کہ یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اور حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب نے سایہ والی روایت کی خوب تردید بھی کی ہے مگر مؤلف مذکور شیرادر سمجھ کر اس کو بالکل پی گئے ہیں اور اصول کافی جس پر بقول شیعہ حضرات کے اہم ہندی نے دستخط اور تصدیق ثبت فرمائی اور فرمایا ہذا کا پٹ شیعہ تنا کہ یہ کتاب ہمارے شیعہ کے لیے کافی ہے اور اسی کتاب سے پہلے باحوالہ یہ عرض کیا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور ہم نے یہ کہا ہے کہ اصل میں سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے۔ اگر سایہ ہونے کی صحیح روایات موجود نہ ہوتیں اور پھر ہم ان اکابر کی نقول کی مخالفت کرتے تو ہم قصور وار ہوتے، لیکن سایہ ہونے کی صحیح روایات کی موجودگی میں ہم پر الزام کیسا؟ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ان اکابر کو وہ صحیح احادیث نہیں پہنچیں، اور نہ صحیح حدیث کی مخالفت کون مسلمان گوارا کرتا ہے؟ اور چونکہ ہمارا مسئلہ لفظ بشر سے ہے جو قرآن کریم میں جا بجا مذکور ہے اور سایہ ہونے کی صریح اور صحیح احادیث سے ہے، اس لیے ہم یہی کہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہونا چاہیے کہ آپ کا سایہ تھا اور جن حضرات تک یہ صحیح روایات نہیں پہنچیں، وہ معذور ہیں مگر جن کو علم ہو چکا وہ کس طرح معذور ہو سکتے ہیں۔؟

باب چہارم

ناظرین کرام! اس باب میں ہم فریقِ مخالف کے وہ دلائل نقل کرتے ہیں جن سے انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے پر استدلال کیا ہے اور پھر ان کے جوابات بھی نقل کیے جلتے ہیں۔ (رفیاض)

دلیل نمبر (۱) بریلوی عالم مولوی غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ جمہور مسلمین کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے جسم اقدس کے لیے تاریک سایہ ثابت نہیں ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا اور نورانیت کا ثبوت یا سائے کی نفی بشریت کی نفی کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ سایہ مطلقاً بشریت کے لوازم سے نہیں بلکہ بشریت کثیفہ کے لوازم سے ہے اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہو کر اس درجہ لطافت میں تھی کہ تاریک سایہ کا موجب نہ ہوتی تھی۔ نیز یہ عقیدہ ظنی ہے اور ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کفایت کرتے ہیں۔ محدث ابن جوزیؒ الوفا باحوال المصطفیٰ ص ۴۴ پر اور ان کے حوالے سے ملا علی جمع الوسائل ص ۱۱۱ اور اہم مناوی شرح شمائل علی ہامش جمع الوسائل ص ۱۲۱ اور ص ۱۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل ولم یقصر مع شمس قنطراویا غالب آجاتا اور نہ کبھی چاند کی روشنی میں

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی سورج کی روشنی میں گھڑے نہ ہوتے، مگر آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب آجاتا اور نہ کبھی چاند کی روشنی میں

یقوم مع سراج قط الا غلب آئے، مگر آپ کا نور چاند کی روشنی پر غالب
ضوء علی ضوء السراج - رہا۔
یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

علامہ نجاشی "وسائل الوصول" ص ۲ میں تحریر فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نور تھے، پس دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہ ظاہر ہوتا۔ فوائد جلیلیہ شرح شمائل
محمدیہ ص ۳۱ ج ۱ میں سیدی محمد بن قاسم حبسویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ابن مبارکؒ اور ابن الجوزیؒ
نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوئے
مگر آپ کا نور سورج پر غالب رہا اور نہ کبھی چاندنی میں کھڑے ہوئے، مگر چاند پر آپ کا نور غالب
رہا، اسی لیے نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور ابن سبغ نے شفاعت میں ذکر کیا اور اس کو قاضی عیاضؒ
نے شفاء میں نقل کیا کہ آپ کے شخص کریم کا سایہ نہ تھا نہ چاندنی میں نہ دھوپ میں اور سایہ نہ ہونے
کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا سایہ (جو حقیقت میں آپ کی مثال کے مرتبہ کا ہے) زمین پر گرنے سے
محفوظ رکھا جائے یا گندی جگہوں اور قدموں کے نیچے واقع ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے یا اس
لیے کہ سایہ تاریکی کو مستلزم ہے اور نور کے لیے حجاب ہوتا ہے اور نبی علیہ السلام کو نور میر میں
پس آپ کا سایہ کس طرح مقصور ہو گیا یا اس لیے کہ شمس و قمر کو آپ کے نور سے مخلوق ہوتے اور
آپ کے سبب سے ظہور میں آتے، پس آپ کے سبب سے ان کی روشنی کس طرح چھپ سکتی
ہے جی کہ آپ کا سایہ ہو، کیونکہ جو کسی چیز کا منظر ہو، وہ اس کے لیے ساتر نہیں ہو سکتا۔ اگر
یہ کہا جائے کہ حضور تو بشر ہیں، جیسا کہ قرآن میں ہے پھر آپ کے لیے سایہ کیونکر نہ ہوگا، تو
اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ آپ کی بشریت عام بشریت کی طرح نہیں ہے۔ جیسے یا قوت
پتھر ہے، مگر عام پتھروں کی طرح نہیں ہے۔ بقول ابوالحسن شاذلیؒ آپ باوجود بشریت کے
نور ہیں۔ اس لیے آپ نور سے موسوم ہوئے۔ شیخ محقق نے شرح ہمزیر میں کہا کہ حدیث عمرؓ
میں ہے کہ آپ نے فرمایا، اے عمرؓ جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں وہ ہوں کہ جس کو اللہ
عزوجل نے سب سے پہلے پیدا کیا، وہ میرا نور تھا پس میرے نور نے اللہ کو سجدہ کیا اور

سات سو سال سجدہ میں رہا، پس پہلا ساجد میرا نور تھا اور مجھے اس پر خفر نہیں اسے علم نہ جانتے
 ہوئیں کون ہوں؟ میں وہ ہوں کہ اللہ نے عرش کو میرے نور سے پیدا کیا اور کرسی و لوح و
 قلم کو میرے نور سے پیدا کیا اور آنکھوں کے نور کو میرے نور سے پیدا کیا اور عقل جو لوگوں
 کے سردوں میں ہے، وہ بھی میرے نور سے پیدا کی اور معرفت جو قلوب کو منین میں ہے وہ
 بھی میرے نور سے پیدا کی اور مجھے اس پر خفر نہیں الخ پس تمام انوار و اضواء کو حضور کے نور
 سے پیدا کیا گیا، لہذا سب حضور علیہ السلام کے نور کی فرع ہیں اور آپ کا نور سب کے لیے
 اصل بھلا فرع کا اصل کے ساتھ کیا مقابلہ ہو سکتا ہے؟ دیکھو وہ کیسے شقی العقل ہیں جو فرع کے
 بے کمال نفی ظن مانتے ہیں اور اصل کے لیے اس کا انکار کرتے ہیں۔ (مجموعہ توضیح البیان
 ج ۱ تا ۷ ص ۱۶)

الجواب مؤلف مذکور کا یہ دعویٰ کہ آپ کا سایہ نہ ہونا جمہور مسلمانوں کا عقیدہ ہے بالکل
 بے بنیاد دعویٰ ہے۔ اس لیے کہ جب صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے
 اور ان صحیح احادیث کو چھوڑ کر جمہور مسلمان کب جعلی اور بے ثبوت روایات پر عقیدہ رکھ سکتے
 ہیں۔ ہم نے تنقید متین میں مستدرک حاکم کی سند سے آپ کے سایہ کے ثبوت کی روایت نقل کر کے
 ہم حاکمؒ اور ناقدہ فن رجال علامہ ذہبیؒ کی تصحیح بھی نقل کر دی ہے اور اسی طرح طبقات ابن سعدؒ
 مستدرک احمد اور مجمع الزوائد سے بھی روایت نقل کر کے اس کی سند کے رجال اور ان کی توثیق بھی
 آج ہی بیان کر دی ہے۔

مجمع الزوائد کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

فَرَأَتْ ظِلَّهُ فَقَالَتْ إِنَّ هَذَا کہ حضرت زینبؓ نے آپؐ کا سایہ دیکھا
 انظر رجل وما يدخل على النبي سو وہ فرمائی گئیں کہ یہ تو مرد کا سایہ ہے
 صلى الله عليه وسلم فدخل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو میرے
 النبي صلى الله عليه وسلم پاس آئے نہیں اتنے میں آپؐ اندر
 الحديث. (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۱۷) داخل ہو گئے۔

اہم پیشی فرماتے ہیں کہ

رواہ احمد و فیہ سمیۃ
روى لها ابو داؤد وغيره
ولم يضعفها احد و بقیۃ
رجالہ ثقات (ج ۴ ص ۳۲۱)
اس روایت کو امام احمد نے روایت کیا ہے
اور اس میں سُمیۃؓ ہیں امام ابو داؤد وغیرہ
نے ان کی روایت لی ہے اور کسی نے ان
کی تضعیف نہیں کی اور باقی راوی ثقہ ہیں
اور دوسری روایت کے مرکزی الفاظ یہ ہیں۔

اذ رأیت ظلہ قد اقبل الحدیث
(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۲۳)
اپنا ہاتھ انہوں نے آپ کے سایہ کو آتے
ہوئے دیکھا۔

اور علامہ پیشی اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ
رواہ الطبرانی فی الاوسط و فیہ
سمیۃ روى لها ابو داؤد وغيره
ولم یضعفها احد و بقیۃ
رجالہ ثقات (ج ۴ ص ۳۲۳)
اس کو طبرانی نے (معجم) اوسط میں روایت
کیا ہے اور اس میں سُمیۃؓ ہے امام ابو داؤد
وغیرہ نے ان سے روایت لی ہے اور
کسی نے ان پر جرح نہیں کی، باقی سب
راوی ثقہ ہیں۔

جمہور مسلمین ان صحیح روایات کو کیسے ترک کر سکتے ہیں۔ جب کہ ان کے مقابلہ میں کوئی صحیح حدیث
ہی موجود نہیں ہے اور ان صحیح روایات کی تائید مجمع الزوائد کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے
جو اوقات صلوات کے باب میں اُثریٰ جبرائیل کے عنوان سے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی
ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

ثم جاءني فضلي بن العاص حين
كان في مثل الى قوله ثم جاءني
من الغد فضلي الظهر حين كان
القي مثل ثم جاءني في العصر
پھر میرے حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے
اور اس وقت مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب
کہ میرا سایہ میرے قدم کے برابر ہو گیا اور آگے
فرمایا، پھر دوسرے دن میرے پاس آئے

فصلی بی حین مکان فی مشلی
الحديث رواه البزار وفيه
عمر بن عبد الرحمن بن أسيد
بن عبد الرحمن بن زيد بن
الخطاب ذكره ابن أبي حاتم
وقال سمع منه ابو نعيم
وعبد الله بن فافع سمعت
ابي يقول ذاك ويشيخ البزار
ابراهيم بن نصر لم يجد من
لوجه وبقية رجاله موثقون -
(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲۸)

تو مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب
سایہ میرے برابر ہو گیا، پھر میرے پاس عصر
کے وقت آئے اور مجھے اس وقت نماز
پڑھائی، جب کہ میرا سایہ میری دوشل ہو
گیا الحديث اس کہ محدث بنائے روایت
کیا ہے اس کی سند میں عمر بن عبد الرحمن
بن أسيد بن عبد الرحمن بن زيد بن الخطاب
ہے۔ امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں
نے اپنے والد سے سنا کہ ان سے ابو نعیم اور
اور عبد اللہ بن فافع نے سماعت کی ہے
اور امام بنائے کے استاد ابو نعیم بن نصر کا ترجمہ
مجھے نہیں مل سکا اور باقی راوی تھے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ پہلے دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو عصر کی نماز
اُس وقت پڑھائی۔ جب کہ آپ کا سایہ آپ کی قامت کے برابر تھا اور دوسرے دن ظہر کی نماز
اس وقت پڑھائی جب کہ آپ کا سایہ آپ کی قامت کے برابر تھا اور فرمایا کہ پھر حضرت جبرائیل
علیہ السلام (دوسرے دن) آئے اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی، جب کہ میرا سایہ دو گنا ہو گیا تھا اس
صورت میں جب کہ کان فی مشلی پڑھیں جو اس سے قبل کی روایت کے مطابق ہے۔ و صلی العصور
والفقی قاتمان الحديث مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۳۲۸ عن ابی سعید بن الخضر
مرفوعا رواه احمد والطبرانی فی الکبیر وفید ابن لہیعہ وفیہ ضعف
اور اگر یہ فقط مثلی ہو تو سایہ قدم مبارک کے برابر ہوگا، کچھ بھی ہو اس سے سایہ تو بہر حال ثابت ہے
ہم اس طویل علمی بحث میں یہاں نہیں پڑتے کہ آیا ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے جیسا کہ حضرت
امام مالک حضرت امام شافعی وغیرہ کا مسلک ہے (بذاتہ المجتہد ج ۱ ص ۱۷۹) اور انہوں نے اس مذکور

اور اس مضمون کی دیگر احادیث سے استدلال کیا ہے یا ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، جیسا کہ بعقیدہ حضرات ائمہ کرام کا مسلک ہے اور وہ مسلم ج ۲ ص ۲۳ کی روایت و وقت صلوة الظہر مالم تحضر العصر سے استدلال کرتے ہیں اور پہلی روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں وقت کی تعیین و تحدید مراد نہیں، بلکہ تقریب مراد ہے، یعنی پہلے دن کی عصر کا وقت دوسرے دن کی عصر کے وقت کے قریب تھا نہ کہ بعینہ وہی تھا اور مسلم ج ۲ ص ۲۴ کی روایت ثم انظر النظر حتی کان قریباً من وقت العصر بالامس اس کی دلیل ہے بغرضیکہ فرقی بخلاف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ کی نفی پر جس قسم کی روایت سے استدلال کرتا ہے، اُس سے بڑھ کر ثبوت سایہ کے لیے یہ روایت موجود ہے جسے ہم نے صرف تائید کے لیے پیش کیا ہے اور پہلے گذشتہ روایات اس کے علاوہ ہیں۔

جب قرآن کریم اور حدیث شریف سے آپ کی بشریت واضح الفاظ سے ثابت ہے اور صحیح احادیث سے آپ کا سایہ بھی ثابت ہے تو مؤلف مذکور کا یہ خدر رنگ کہ سایہ بشریت کٹھنہ کا ہوتا ہے نہ کہ بشریت لطیفہ کا محض ایک ڈھکوسلہ ہے، کیونکہ آپ کی بشریت کا باوجود لطیفہ ہونے کے اور کالیاتوت فی الحجج ہونے کے صحیح حدیث کے موافق سایہ تھا، لہذا نفس کے مقابل میں قیاس کی مطاقاً کوئی گنجائش اور سماعت نہیں ہو سکتی اور بے شک ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کافی ہوتے ہیں، لیکن عقیدہ نہ کوئی ظنی ہوتا ہے اور نہ اس کے لیے دلیل ظنی کفایت کرتی ہے اور مؤلف مذکور اس کو عقیدہ کہتے ہیں، ہاں اگر کوئی مسئلہ اور نظریہ ظنی ہو تو اس کے لیے ظنی دلیل بھی کافی ہو سکتی ہے۔ علاوہ بریں یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ ثابت شدہ ظنی و خبر واحد صحیح کی تو کوئی پرواہ نہ کی جائے اور بے ثبوت ظنی کو پہلے باندھ لیا جائے۔ یہ کون سا انصاف ہے؟ غرضیکہ صحیح حدیث کی روشنی میں آپ کا سایہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے یہ دوسری بات ہے کہ کوئی ضدی اپنے تعصب اور ضد کو نہ چھوڑے اور میں زمانوں اور لائسلیم کی رٹ ہی لگاتا رہے، جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کا یہ محبوب و لذیذ دطرہ ہے تو اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے؟

رہی وہ روایت جو مؤلف مذکور نے نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو
 سورج میں دکھائی دیتا تھا اور نہ چاند میں تو تنقید متین میں اس پر باحوالہ بحث ہو چکی ہے کہ اس
 کی سند میں عبدالرحمن بن قیس زعفرانی راوی ہے جو کذاب اور وضاع ہے۔ ایسی روایت پر مدار
 رکھ کر شریعت کے کسی حکم کو کیسے رد کیا جاسکتا ہے؟ حیرت ہے کہ مؤلف مذکور حضرات ابن عباس
 کی روایت کا جان چھڑانے کے لیے بار بار نام لیتے ہیں لیکن اس کی سند اور رجال اور ان کی کتب
 اسماء الرجال سے تو شیخی نقل کرنے سے قطعاً قاصر اور سلسلہ عاجز ہیں۔ ان کا علمی اور اخلاقی فریضہ
 ہے کہ اپنے علمی تھیلے اور پیادری سے اس روایت کی سند نکالیں اور روایت کی توثیق کریں، ورنہ
 اس سے انہیں قطعاً کوئی فائدہ نہیں، اسی طرح ان کا بار بار علماء کی عبارات نقل کرنا کہ فلاں فرماتے
 ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا اور فلاں فرماتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا، تو یہ بالکل بے سود ہے کیونکہ
 مثلاً انہوں نے اگر دس بزرگوں نے نام لے کر ان کی عبارات اس مضمون پر نقل کی ہیں کہ آپ
 کا سایہ نہ تھا، تو ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ بجائے دس کے دس ہزار بزرگوں کی عبارات بھی پیش کر دیں
 تو اس سے کچھ نہیں بنتا، کیونکہ مسند مرفوع اور صحیح احادیث کے مقابلہ میں دس ہزار تو کیا دس لاکھ
 بلکہ دس ارب و کھرب حضرات کی بات بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی، کیونکہ علمی قاعدہ تو یہ ہے
 کل احد یؤخذ عنہ و تترک الارسل اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باقی یہ دلائل کہ آپ کا سایہ اس
 لیے نہ تھا کہ آپ نور تھے اور شمس و قمر تو آپ کے نور سے مخلوق ہوئے ہیں، پھر آپ کے سبب
 بسے ان کی روشنی کیونکہ چھپ سکتی ہے اور اس لیے آپ کا سایہ نہ تھا، تاکہ قدموں کے نیچے اور
 گندی جگہوں کے نیچے واقع ہونے سے محفوظ رہے اور یہ کہ سایہ تاریکی کو مستلزم ہے اور آپ تو نور
 ہیں وغیرہ وغیرہ تو یہ سب بے وزن اور بے جان باتیں ہیں۔ اولاً اس لیے کہ جب صحیح احادیث
 سے آپ کا سایہ ثابت ہے، تو نص کے مقابلہ میں ایسی صوفیانہ یا عارفانہ خود ساختہ باتیں کیا حیثیت
 رکھتی ہیں؟ وثانیاً آپ جس معنی میں نور ہیں، وہ معنوی نور ہے حتیٰ میںیں تو معنوی نور پر حتیٰ نور
 کے آثار مرتب کرنا نا مجنونانہ فعل ہے وثالثاً فرع کا وہ مرتبہ نہیں ہوتا جو اصل کا ہوتا ہے آپ
 کا سایہ آپ کے نفس اطہر اور بدن مبارک کی فرع ہے اور یہ تین امر ہے کہ مکہ مکرمہ وغیرہ کی

سرمین پر جگہوں اور راستوں میں جہاں آپ کے قدم مبارک پڑتے تھے، وہاں کسی نہ کسی کافر و
مشرک کا قدم بھی پڑتا رہا اور ظاہر امر ہے کہ اُن راستوں پر عام انسان تو کیا حیوانات بھی چلتے تھے
پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کے سایہ کو جو آپ کی ذات بابرکات کی فروع ہے تو قدموں سے
محفوظ رکھا گیا اور آپ کے بنفس نفیس قدم مبارک جہاں پڑتے رہے۔ ان جگہوں کو کافروں و مشرکوں
اور حیوانات کے قدموں سے محفوظ رکھا گیا؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس خود ساختہ منطق
کے رُوسے مناسب تو یہ تھا کہ آپ کا قدم مبارک ہی زمین پر نہ پڑتا، تاکہ کسی کافر و مشرک
کا ناپاک قدم اس پر نہ پڑتا، کیونکہ مشرک ناپاک ہیں انما المشرکون نجس اور اس معنوی نجاست سے
بھی آپ کے قدم مبارک کو محفوظ رکھنا چاہیے تھا۔ اس لحاظ سے آپ کو چاہیے تھا کہ زمین پر
قدم مبارک ہی نہ رکھتے یا ہمیشہ سواری پر اور پاکی میں سفر کیا کرتے والظاہر خلافت اور یہ امر بھی
ثابت ہے کہ آپ کی گردن مبارک پر مشرکوں نے اونٹ کی ناپاک جھلی بھی ڈالی جب کہ آپ
المسجد الحرام میں کعبۃ اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ بخاری ج ۱ ص ۲۱ میں سلا جزد در شبی ظلال
کے الفاظ ہیں اور اس کے معنی جھلی کے ہوتے ہیں (الظاہر انما نجست رہا مشن بخاری)۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نے جب کہ آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم جوتیوں سمیت نماز پڑھا رہے تھے آپ کو آکر یہ خبر دی کہ آپ کی جوتیوں کے نیچے
غلاظت لگی ہوئی ہے (آنانی جبریل فاخبرنی ان فیما قدریہ روایت ابو داؤد ج ۱ ص ۹۵ مننداری
ص ۲۱ مترجم موارد النعمان ص ۱۰، اور مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۱ میں موجود ہے قال الحاکم "والذہبی"
صحیح علی شرط مسلم اور مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۱ میں بھی یہ روایت موجود ہے) ظاہر بات ہے کہ جوتیوں کے
نیچے غلاظت تب ہی لگی تھی کہ آپ نے نجس جگہ پر رگو با مجبوری یا لاعلمی ہی سہی ہاؤں مبارک
لکھے تھے۔ عجیب بات ہے کہ پاؤں اور نعلین پلید جگہ پر پڑ جائیں، تو کچھ حرج نہ ہو، لیکن سایہ
ایسی جگہ پر پڑے تو قابل انکار امر ہو، اسی طرح آپ کی بشریت کے اعلیٰ والطف ہونے سے
نیز آپ کے نور بمعنی روح کے پہلے پیدا ہونے اور اس کے پروردگار کے سامنے سجدہ و ریز ہونے
سے اور آپ کے نور کے اصل اور باقی مخلوق کے فروع ہونے سے بھی مؤلف مذکور کو قطعاً کوئی

فائدہ نہیں کیونکہ صحیح احادیث سے آپ کا سایہ ثابت ہے اور ان کے مقابلہ میں کوئی روایت سنداً ثابت ہی نہیں، پھر ایسی بے سند روایات کا کیا اعتبار؟ اور اگر ان کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس سے مخالفت مذکور کو کچھ فائدہ نہیں کیونکہ آپ کا نور یعنی روح مبارک ازل خلق ہونے کی وجہ سے اصل ہے، مگر یہ معنوی نور ہے جس سے قلوب مومنین میں معرفت پیدا ہوتی ہے نہ کہ جتنی نور کتنے بد بخت اور شقی القلب ہیں۔ وہ لوگ جو آپ کی صحیح احادیث کا انکار اور تاویلات کر کے آپ کے سایہ کی نفی کرتے ہیں اور غیر معصوم اقوال کو ترجیح دیتے ہیں۔

دلیل نمبر (۲) | امام بلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ

اخرج الحکیم الترمذی من طریق عبد الرحمن بن قیس الزعفرانی
 الزعفرانی عن عبد الملك بن عبد الله بن الوليد عن
 ذكوان ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يُراى
 له ظل في شمس ولا قمر اه
 (خصائص النكبي في صحيحه)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور جب سایہ نہ تھا تو (معاذ اللہ) آپ بشر بھی نہ تھے؟

یہ روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔ اولاً اس لیے اس کی سند میں عبد الرحمن بن قیس الزعفرانی نامی ایک راوی ہے۔ امام عبد الرحمن بن مہدیؒ اس کو جھوٹا کہتے تھے اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث ضعیف ہے اور وہ محض بیچ اور مشرک الحدیث ہے۔ امام ابو زرہؒ اس کو کذاب کہتے ہیں۔ امام مسلمؒ بن الحجاج فرماتے ہیں کہ وہ ذامب الحدیث

ہے۔ امام ابوعلیٰ فرماتے کہ وہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا (مکان یضع الحدیث) امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ موقوف الحدیث ہے اور امام ساجی فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف تھا تاریخ بغداد جلد ۱۰ ص ۲۵۲ و ۲۵۳

یہ تمام جرحی کلمات حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں نقل کیے ہیں اور یہ اضافہ کیا ہے کہ محدث ابن عدی فرماتے ہیں کہ ان کی اکثر احادیث میں ثقات نے ان کی متابعت نہیں کی اور حاکم ابو احمد فرماتے ہیں کہ وہ ذاہب الحدیث ہے اور امام ابو نعیم اصبہانی فرماتے ہیں وہ لاشیء ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۵۹) دثانیاً حضرت ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ

ذکرہ الحکیم الترمذی فی	ہم ترمذی نے یہ روایت اپنی کتاب
لواء الاصول عن عبد الرحمن	لواء الاصول میں عبد الرحمن بن قیس کے
بن قیس وهو مطعون عن	طریق سے ذکر کی ہے اور عبد الرحمن مطعون
عبد الملك بن عبد الله	ہے اور اس نے عبد الملك بن عبد الله
بن الوليد وهو مجهول عن	بن الوليد سے روایت کی ہے اور وہ مجهول
ذکوان اھ	ہے اور اس نے ذکوان سے روایت کی

(شرح الشفاء جلد نمبر ۲ ص ۲۸۲ طبع مصر) ہے۔ الح

تو اس کڑی میں کذاب اور وضاح راوی کے ساتھ ایک مجہول راوی بھی شریک ہو گیا ہے و ثانیاً ذکوان تابعی ہیں اور ان کی براہ راست جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت و سماعت نہیں ہے کوئی عملی اور فروعی مسئلہ ہوتا تو پھر معاملہ جدا تھا، مگر بات عقیدہ کی ہے لہذا ان حالات میں نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں ایسی بے سرو پا روایات کو کون تسلیم کرتا ہے؟ اور ان پر دین کی بنیاد کیوں کر رکھی جاسکتی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود امام سیوطی دوسرے مقام پر عبد الرحمن بن قیس الزعفرانی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کذاب وضاح (مناہل الصفا فی تحریج احادیث الشفاء ص ۱) اور یہ روایت بھی لواء الاصول کی ہے جس کے مصنف ابو عبد اللہ محمد بن علی الحسین (المتوفی ۲۵۵ھ) ہیں حضرت

شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:

نوادرا اصول اکثر اعدا دیت غیر معتبر دارد یعنی نوادر الاصول کی اکثر حدیثیں غیر معتبر ہیں۔ (بتان الحمدین ص ۶۵)

اعتراض

جہاں تک سایہ نہ ہونے کا مسئلہ ہے اہل سنت کے نزدیک مختار یہ ہے کہ آپ کا سایہ ثابت نہیں اور یہ ایک قطعی عقیدہ ہے جس کے اثبات کے لیے دلائل ظنیہ کافی ہیں لیکن مولوی سرفراز صاحب نے اس پر اہل سنت کی طرف سے جو یہ تطریر بٹھائی ہے کہ جب سایہ نہ تھا تو آپ بشر بھی نہ تھے یہ محض افتراء اور کذب خالص کی بدترین مثال ہے۔ اہل سنت کی کتابیں بنی علیہ السلام کی بشریت کے ثبوت و تحقیق کے ذکر سے بھری پڑی ہیں ہم کچھ صفحات میں صدر الافضل کا کلام نقل کر چکے ہیں البتہ دیوبندیوں کی طرح بنی علیہ السلام کو عام بشریت کے مماثل ماننا اہل سنت کا عقیدہ نہیں، ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اخصا کمالات کے اعتبار سے متمتع النظیر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، باقی رہا یہ امر کہ جب بشریت مان لی تو سایہ بھی ماننا ہوگا، عناد اور جہل کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اذلا تو اس لیے کہ آپ کی ذات مقدمہ بشریت کے ساتھ ساتھ نورانیت بھی کامل ترین جامع ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ ثانیاً اس لیے کہ سایہ اس جگہ کی تاریکی کو کہتے ہیں جو کسی جسم کثیف کے نور کی راہ میں عامل ہونے کی وجہ سے واقع ہو اور بنی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزوب ہے اور اس درجہ لطافت میں ہے کہ نور کے لیے حاجب نہیں ہو سکتی، حتیٰ کہ تاریک سایہ کی موجب ہو، سرفراز صاحب نے ذکاوت کی روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ قابل احتجاج نہیں۔ الجواب اذلا کسی ضعیف روایت کو عقیدہ قطعیہ کے اثبات میں تو بے شک پیش نہیں کیا جاسکتا، لیکن قطعی حسیدہ میں قطعی دلائل کافی ہو گئے ہیں لہذا اس باب میں یقیناً اس روایت کا اعتبار کیا جائے گا۔ ثانیاً عقیدہ کا اثبات اور شے ہے اور اس کی تائید امر آخر ہے بنی علیہ السلام کی نورانیت قرآن سے ثابت ہے اور نور کو سایہ نہ ہونا لازم ہے پس تائید کے درجہ میں اس روایت کا اعتبار کسی حد شے کا حامل نہیں رہتا لہذا آپ کا سایہ نہ

ہونا تمام امت کا تقریباً اتفاقی مسئلہ ہے اور تلقی بالقبول کو بھی ناقدرین فن نے وجہ سمجھ سے شمار کیا ہے۔ رابعاً امام سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں اس حدیث کو ذکر کر کے اس کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث قابل تسلیم و احتجاج ہے اور فن حدیث میں امام سیوطی کا جو مقام ہے وہ اپنے پرانے سب تسلیم کرتے ہیں۔ خامساً اگر آپ کو اس حدیث سے خدائی بغض ہے تو چلیے یہ نہ سہی الافاء سے جو روایت ہم ابن عباسؓ کی متصل پیش کر چکے ہیں اسے مان لیجئے اور اگر اس پر بھی تامل ہو تو تفسیر مدارک علی ہامش الحارثی ج ۳ ص ۳۲ پر حضرت عثمانؓ کی حدیث ہے، انہوں نے فرمایا کہ بلاریب اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر واقع نہیں کیا تاکہ کہیں کوئی شخص آپ کے سایہ پر اپنا قدم نہ رکھ دے۔ یہ کوئی ذکر ان کا قول نہیں ہے کہ آپ کہہ دیں اس کی براہ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت نہیں اور حدیث مرسل دیوبند کے حنفیوں میں مقبول نہیں، یہ حضرت عثمانؓ کا قول ہے جو سفر و حضر میں رسول اللہ کے جلسے تھے جن کے سر پر مانا علیہ واصحابی کا تاج ہے ہاتھ میں اصحابی کا بخروم کا پرچم ہے ہاتھ پر علیکم بستی کی چٹون ہے ایسے عظیم الشان صحابی کا قول جن کا قول بھی حدیث ہے اور پھر وہ بھی بارگاہ نبوی میں پیش ہو کر تقریر سے حکماً مرفوع ہو چکا ہے اور اگر حضرت عثمانؓ کو بھی آپ کے ہاں پذیرائی حاصل نہ ہو تو مولوی رشید احمد گنگوہی سفینہ دیوبند کے ناخدا امداد السلوک ص ۸ میں لکھتے ہیں، تو اتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام کا سایہ ہوتا ہے حضرت عثمانؓ آپ کے ہاں مقبول نہ سہی نکال دیوبند کا سگے تو بہر حال آپ کے ہاں چلتا ہے، اب فرمائیے کیا خیال ہے، تو اتر سے جو مسئلہ ثابت ہو وہ قطعی ہوتا ہے یا ظنی؟ یہ کیسا صریح ظلم ہے کہ ہم اس مسئلہ کو اگر ظن کے درجہ میں مان لیں کا فر مشرک اور بدعتی سے کم نہیں اور آپ کے پیروں میں اسے تو اتر سے ثابت اور یقین کے درجہ میں مانیں، پھر شیخ کے شیخ جو چیز مشرک و بدعت ہو گنگوہی مہر سے کیسے کو حیدر سنت بنا دیتی ہے، وہ کون سا منتر ہے جس کے عمل سے آپ اپنے مولیوں کو مشرک اور بدعت کے فتوؤں سے بچا لیتے ہیں، یہ وہ اپنے اجماع و دربان کی عبادت چھوڑ چکے، آپ کے ہاں یہ یو جا

کعب بنہ ہوگی ؟ الموابہب اللدنیہ شرح شمائل محمدیہ ص ۳ پر ہے ابن المبارکؒ اور ابن جوزیؒ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا زرقانیؒ ج ۲ ص ۲۱۱ پر ہے۔ ابن المبارکؒ اور ابن جوزیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوتے، مگر سورج کی روشنی پر آپ کا نور غالب رہا۔ یہ زکوانؒ کی طرح مرسل روایت نہیں بلکہ ابن عباسؓ کی پیش کردہ حدیث متصل ہے اور روایت کرتے والے ہیں۔ ابن الجوزیؒ جیسے ناقد حدیث جو اچھی بھلی حدیث کو موضوع بنا ڈالتے ہیں، پس ایسے کی روایت میں تردد کرنا عباد کے سوا کچھ نہیں مولوی سرخراز صاحب کی خیانت اور گمراہ کن ذہنیت کا اندازہ اسی امر سے باسانی کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اہل سنت کے مسلک کی دلیل حدیث ذکوان کو قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ کے کمال نفی ظل پر اچھی طرح دل کا بخار نکال سکیں عظمت رسول کریم کو کم کرنے کا انہوں نے اپنے زعم میں خوب بہانہ تراشا، مگر اس سے غافل تھے کہ یہ رسوائی خود ان کا مقتدر بن چکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مداحوں کے دامن پر گندگی کا جو ہاتھ انہوں نے بڑھایا تھا وہ اپنی تمام تر نجاستوں سمیت ان کی اپنی ذات کی طرف لوٹ آیا۔ قاضی عیاض مالکیؒ شفا شریف ج ۲ ص ۲۲ پر فرماتے ہیں اور وہ جو مذکور ہے کہ آپ کا چاند سورج میں سایہ نہ پڑتا تھا، پس وہ اس لیے ہے کہ آپ نور ہیں۔ شہاب الدین خضائیؒ نسیم الریاض ج ۱ ص ۳۱ میں اس کی شرح میں لکھتے ہیں یعنی آپ کے جسد شریعت لطیف کا سایہ نہ تھا اور لطیف کے لفظ میں لطیف اشارہ موجود ہے کہ آپ کی بشریت کثافت سے منزہ ہو کر لطافت کے اس درجہ میں تھی کہ روشنی کے لیے حاجت نہ ہوتی تھی، حتیٰ کہ تاریک سایہ کا موجب ہوتی اسی بحث میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔ اس کو (ابن جوزیؒ) صاحب کتاب الوفا نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ ان تمام اکابر علمائے نفی ظل کی بناء حدیث ابن عباسؓ پر کی ہے، لیکن مولوی سرخراز صاحب نے اس متصل حدیث کو چھوڑ کر اس مسئلہ کو حدیث ذکوان پر مبنی قرار دیا کہ اسی روایت کے ضعف وارسال سے اصل مسئلہ میں ضعف ثابت کر سکیں اِنَّا لِلّٰہِ الخ قاضی عیاضؒ کے قول لَانْہُ کَانَ نُورًا کی شرح میں ملا علی القاریؒ شرح مشفاء ج ۱ ص ۱۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔ یعنی حضور نور بذاتہ ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہونا کیونکہ

اس میں کثافت نہیں ہے اور جو مضمون لوادر میں وارد ہے اس سے بھی یہی مراد ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاندنی میں اس کو طہیٰ نے بھی ابنِ سبغہ سے نقل کیا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ ج ۲ میں فرماتے ہیں اور نور بنی علیہ السلام کے اسماء میں سے ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا، نیز یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا کہ کہیں بخش زمین پر نہ پڑے۔ شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیز ص ۲۹ پ ۱ میں فرماتے ہیں اور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا انتہی باختصار لیسیر۔ (توضیح البیان از لفظ التاۃ ص ۸۲) نوٹ: یہ یاد رہے کہ مؤلفہ مذکور نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی جو دلیلیں اور حوالے ذکر کیے ہیں، یہ سب خان صاحب کی کتاب نفی الفی وغیرہ سے ماخوذ ہیں ہم بقدر امکان ترتیب سے جوابات عرض کرتے ہیں بغور سے ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب ۱

(۱) جب دلائل قطعیہ اور ہر اہل ماطہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت ثابت ہے اور احادیث صحیحہ صریحہ سے آپ کا سایہ بھی ثابت ہے تو اہل السنۃ والجماعت ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کیونکر عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ آپ کا سایہ دھتا اور یہ اہل السنۃ کا مختار کیسے ہو سکتا ہے؟ البتہ اہل بدعت کا عقیدہ یہ ضرور ہے اور انہی کے لیے یہ مناسب بھی ہے، کیونکہ حق اور صحیح دلائل کے ساتھ ان ہی کا خدا واسطے کا بیر ہوا کرتا ہے اور وہی ایسا عقیدہ رکھ سکتے ہیں۔

(۲) عقائد تمام قطعی ہوتے ہیں اور ان کے لیے دلائل بھی قطعی درکار ہوتے ہیں کسی مسئلہ یا نظریہ یا کسی جزیئہ کو عقیدہ سے تعبیر کرنا معروف اصطلاح کے خلاف ہے، اس لیے ایسی خانہ ساز اصطلاحات سے حقیقت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

(۳) بے شک اہل بدعت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بشر ماننے والے بھی موجود ہیں مگر ان میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے مخلوق تسلیم کرنے والے بھی ہیں اور اسی کو وہ نام نہاد اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ بتاتے ہیں، جیسا کہ پہلے باحوالہ یہ بات عرض کی جا چکی ہے تو

پھر اس کو محض افتراء اور کذب خالص کی بدترین مثال قرار دینا اپنی خالص جہالت کا یا اپنی ہٹ دھرمی کا ثبوت دینا ہے، البتہ مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ دیوبندی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کو عام بشریت کے مماثل مانتے ہیں اور ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے متمتع النظیر مانتے ہیں یہ نزاد جل وعلیٰ نہیں ہے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فضائل و مزایا اور اوصاف و کمالات وغیرہ میں آپ کی ذات سب سے افضل ہے اور آپ افضل البشر ہیں۔ ان غریبوں میں آپ کا کوئی ثقیل اور نظیر نہیں، لیکن نفس بشریت اور لوازم بشریت جن میں سایہ ہونا بھی دلائل سے ثابت ہے اس میں آپ قرآن کریم کی قطعی آیات کے حکم سے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ہیں اس میں ایک رتی کا شک نہیں ہے باقی متمتع النظیر کا جملہ بحث طلب ہے۔ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ نہ تو آپ کی مثل اور نظیر آج تک پیدا ہوئی اور نہ تا قیامت پیدا ہوگی تو ہمارا اس پر حاد ہے اور اسی معنی میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ

رُخِصَ مُصْطَفٰی ہُوَ اَیْمَنُ کَرَامِیَا دُرِّ سُرَّ اَیْمَنُ نہ ہماری بزم خیال میں نہ دوکانِ اَیْمَنہ سازیں
اور اگر مراد یہ ہے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثل اور نظیر پیدا کرنا چاہے تو اس کو اس پر قدرت ہی حاصل نہ ہو، یہ اہل بدعت کا عقیدہ تو ہے، لیکن اہل سنت کا نہیں، کیونکہ وہ اس پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

(۴) جب آپ کی بشریت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ ذات اور نفس آپ کی بشر ہے اور خود مؤلف مذکور بھی جنس کے لحاظ سے آپ کو بشر تسلیم کر چکے ہیں اور کرتے ہیں اور خود آپ کی صفت ہے تو مایہ کا آپ کے لیے ہونا عقلاً و عقلاً ثابت ہے، کیونکہ یہ بشریت کے لوازم میں سے ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اس کا انکار عناد و جہل کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۵) آپ کا جسم مبارک اپنی ظاہری اور باطنی جسمانی اور روحانی خوبی اور کمال کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ لطیف ہی تھا بلکہ اللطف بھی تھا، لیکن آپ کا جسم اطہر بایں ہمہ ایسا نہ تھا جو کسی کو نظر نہ آتا جیسا کہ فرشتوں اور جنات کے وجود کہ وہ عموماً نظر نہیں آتے۔ جب آپ کا جسم مبارک کئی

تھا اور ہر ایک کو ہر وقت نظر آ سکتا تھا اور آتا تھا تو ایسے جسم کے لیے سایہ کا ہونا کون سی بعید بات ہے۔

(۶) عقیدہ قطعی ہوتا ہے غلطی نہیں ہوتا ہے اور قطعیات میں ظنیات کا قطعاً کوئی دخل نہیں شرح العقائد ص ۱۸ میں ہے ولا عثرة بالظن فی باب الاعتقادات یعنی اعتقادی امور میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں ذکوان کی روایت سے سایہ کی نفی کر کے بالواسطہ آپ کی قطعی طور پر ثابت شدہ بشریت کا انکار ہو رہا ہے اور اس میں وضاع قسم کے راوی بھی موجود ہیں، لہذا اس کا کیا اعتبار ہے ؟ اس لیے یہ روایت قطعاً اور یقیناً مردود ہے دلائل کی مدد میں اس کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں یہ بات اہل بدعت ہی کو زریعہ ہے کہ وہ ایسی موضوع روایات کا اعتبار کر کے اپنے دل مآوے کو بھلا لیں اور وہ اکثر ایسا ہی کیا کرتے ہیں، ان کا مزاج اور مبلغ علم ہی یہ ہے غرر دل کے بھلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

(۷) آپ کا یہ عقیدہ کہ آپ کا سایہ نہیں کس قطعی دلیل سے ثابت ہے جس کی تائید کے لیے آپ اس موضوع اور بالکل بے بنیاد روایت کا سہارا لے رہے ہیں، پہلے تو آپ وہ قطعی دلیل علمی قیض سے نکالیں، پھر اس موضوع روایت کو اس کی تائید میں پیش کریں۔ قرآن کریم سے اور وہ بھی صرف ایک تفسیر اور احتمال کے لحاظ سے نہ کہ قطعیت سے آپ کی جو نورانیت ثابت ہے، وہ صرف وصف کے لحاظ سے ہے نہ کہ ذات اور جنس کے لحاظ سے اور بشریت آپ کی قطعی طور پر ثابت ہے جس کے لیے سایہ ہونا لازم ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت بھی ہے، لہذا ایسی سوچ و مفروض دلیل کی تائید میں جعلی روایت ہے۔ تائید تلاش کرنا جہالت کا پلندہ ہے۔

(۸) تمام اُمت کا تقریباً اتفاق آپ کے سایہ ہونے پر ہے نہ کہ نہ ہونے پر (چند بندگان کا نام تمام اُمت نہیں ہے) کیونکہ تمام اُمت آپ کو بشر تسلیم کرتی ہے اور بشر کے لیے سایہ لازم ذات ہے اور تمام اُمت صحیح احادیث کو بھی تسلیم کرتی ہے اور صحیح احادیث سے بھی آپ کا سایہ ثابت ہے۔ کیا مؤلف مذکور کے نزدیک قرآن و حدیث سے ثابت شدہ کسی فیصلہ کے خلاف بھی سبھی اجماع جوابے یا رد سکتا ہے ؟ بلاشبک تعلق بالقبول بھی حضرات محمدین کرام کے ہاں قابل

اعتبار ہے، لیکن صرف ضعیف حدیثوں میں نہ کہ نرمی جلی اور موضوع حدیثوں میں اور یہاں تو تلقی بھی نہیں، بلکہ اس روایت کی پرزور تردید کی گئی۔

(۹) بلاشبہ حضرت امام سیوطیؒ وسیع النظر اور بڑے عالم گزرے ہیں، لیکن نہ کو ذہ ائمہ جرح و تعدیل میں شمار ہیں اور نہ انہوں نے کتاب خصائص الکبریٰ (وغیرہ) میں صحت کا التزام کیا ہے۔ خصائص الکبریٰ میں موضوع اور جعلی روایات کی بھرمار ہے، لہذا ان کا اپنی کتاب میں کسی روایت کا ذکر کر دینا کسی طرح حدیث کی صحت اور ثبوت کو مستلزم نہیں ہے اپنے پرانے ان کا مقام صرف وسعت نظر میں تسلیم کرتے ہیں نہ کہ حدیث کی تصحیح اور تحقیق میں کیونکہ یہ ان کا مقام ہی نہیں ہے ہاں اگر کسی روایت کی باقاعدہ سند موجود ہو اور اس کے جملہ روایات ثقہ ہوں اور وہ اس کی تصحیح و تحقیق کریں اور دوسرے حضرات محدثین کو ائمہ بھی اس حدیث کو صحیح یا حسن کہتے ہوں، تو پھر معاملہ جدا ہے۔

امام سیوطیؒ نے خود اپنی کتاب الجامع الکبیر میں حدیث کی صحت و ضعف کا ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ مؤلف مذکور اور ان کے حواریوں کو وہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ وہ فرماتے ہیں۔

كل ما عزی الى العقيلي وابن

عدی والخطیب البغدادی وابن

عساكر والمحقق التومذی

وذكر جماعة غیر هم فھو

ضعیف فیستغنی بالعز والیھارای

الى كتبھو) عن بیان ضعفه انتھی

بلفظھ۔ (ھامش المصاح فی المزاح

ص ۵۱۱ نلعلمہ بید الدین الج

البركات الغزی المتوفی

۹۸۶ھ

اور ذکوان کی یہ روایت بطریق عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی انہوں نے خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۶۱ میں حکیم ترمذی کی طرف نسبت کی ہے اخرج الحکیم الترمذی المجتہد ان کے نزدیک اس کے ضعیف ہونے میں کیا شک ہے ؟

علامہ سید سلیمان ندوی (المتوفی ۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطی کی خصائص الکبریٰ جو حیدرآباد دکن میں چھپ گئی ہے بمعمرات کے مفعول پر سب سے زیادہ مسبوط ہے اور جامع تالیف ہے۔ علامہ مدوح نے الی قولہ قوی و ضعیف اور صحیح و غلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا (سیرت النبی ج ۳ ص ۶۲ طبع لاہور)

(۱۰) مؤلف مذکور نے الفا کے حوالہ سے حضرت ابن عباس سے جو روایت نقل کی ہے اور جسے وہ متصل قرار دے کر بحج منوانا چاہتے ہیں سوال یہ ہے کہ اس حدیث کی سند کیا ہے ؟ اس کے راوی کون ہیں ؟ ان کی توثیق کتب اسماء الرجال سے درکار ہے۔ سینہ ذہری سے کسی روایت کو بلا کسی ثبوت کے متصل قرار دے کر منوانا دجل نہیں تو اور کیا ہے ؟ اسی طرح مدارک کے حوالہ سے حضرت عثمان سے جو روایت نقل کی ہے اس کی سند کہاں اور کیسی ہے ؟ بلاشبہ حضرت عثمان کا قول بھی غلطہ راشد ہونے کی وجہ سے بڑا ذنی ہے، جب اس کی صحت ثابت ہو اور اس روایت کے راوی اور سند کا کچھ پتہ نہیں اور کتب تفسیر میں ہر قسم کی رطب و یابس روایات نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں، لہذا کسی تفسیر میں ایسی بے سر و پا روایات کا موجود ہونا ان کی صحت کی ہرگز دلیل نہیں ہے غرضیکہ نہ کو یہ روایت سنداً صحیح ہے اور نہ اس کا اعتبار ہے۔ حکماً تو یہ تب مرفوع قرار پاتی۔ جب سنداً صحیح ہوتی، جب اس کی سند ہی صحیح نہیں بلکہ پتہ ہی نہیں کہ اس کی سند کیا ہے تو اس کو دھینگا کشتی مرفوع قرار دے کر منوانے کا کیا مطلب ؟ اور اس طرح ماننا کون ہے ؟

مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ حدیث مرسل دیوبند کے محققین میں مقبول نہیں ہوتی۔ ایک خالص جاہلانہ دعویٰ ہے۔ علماء دیوبند کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہے بشرطیکہ اس کی سند صحیح ہو اور اس کے مقابلہ میں کوئی صحیح اور حسن متصل حدیث موجود نہ ہو اور اس حدیث کی یہ پوزیشن نہیں

کیونکہ ایک تو اس روایت میں جو ذکوان کے طریق سے مروی ہے کذاب اور ضائع راوی موجود ہے جس کی حیثیت پرکاش کی بھی نہیں ہے اور دوسرے اس کے مقابلہ میں آپ کے سایہ کے ثبوت کی صحیح احادیث موجود ہیں پھر اس کا کیا اعتبار ہے ؟

(۱۱) چونکہ مسند احمد - مستدرک - مجمع الزوائد اور طبقات ابن سعد وغیرہ کتابیں حضرت منکومہؓ کے زمانہ میں کمیاب تھیں اور ان میں درج شدہ سایہ کی روایات ان کے پیش نظر نہ تھیں اور بعض کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا ذکر موجود ہے اور ردی وغیرہ کے الفاظ سے اس کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس لیے بنا پر شہرت کے اس کو امداد السلوک میں متواتر احادیث سے تعبیر کیا گیا ہے اور پھر وہ جس معنی میں آپ کو نور کہتے اور تسلیم کرتے ہیں مادہ اس معنی میں آپ کے پیروکاروں کو بھی نور تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی بشریت کا صاف طور پر اقرار کرتے ہیں اور آپ کو انسان مانتے ہیں ہاں تزکیہ نفس کی وجہ سے الائنش اور کدورت کے سایہ سے آپ کو منزہ مانتے ہیں، چنانچہ وہ فتاویٰ رشیدیہ (جلع صلا طبع جید باقی پریس دہلی) میں اس سوال کے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کس بات میں مثل ہیں الجواب میں لکھتے ہیں۔

الجواب | نفس بشر ہونے میں مساوات ہے اگرچہ آپ کی بشریت ازکی و الطیب ہے الخ اور امداد السلوک میں فرماتے ہیں، چنانچہ حق تعالیٰ صریحاً فرماتے ہیں کہ تحقیق سے وہ کامیاب ہو گیا جس نے تزکیہ نفس کر لیا یعنی اس نے مجاہدہ کی تلوار اور ہوائے نفعانی کی تلخیت سے الائنش اور کدورت کو ختم کر دیا اسی لیے حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں کہ تحقیق آئے ہیں۔ تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور کتاب مبین نور سے نور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں شاہد مبشر نذیر داعی الی اللہ اور سر لاج منیر بنا کر بھیجا ہے۔ منیر روشن کرنے والے اور روشنی دینے والے کو کہتے ہیں اگر انسانوں سے کسی کو روشن کرنا محال ہوتا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات میسر نہ ہو سکتی کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے

ہیں مگر آپ نے اپنی ذات پاک کو ایسا پاکیزہ کیا کہ خالص نور ہو گئے اور حق تعالیٰ نے آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرمادیا اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سایہ نہیں رکھتے تھے اور یہ واضح ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح آپ
نے اپنے پیروکاروں کا ایسا تصفیہ فرمایا کہ وہ بھی نور ہو گئے جیسے کہ ان کی حکایات اور خرق عادات
سے کہنا میں بھری پٹری ہیں اور ایسی مشہور ہیں کہ انہیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں اور حق تعالیٰ
فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے نبی پر ایمان لاتے ہیں ان کا نور ان کے آگے پیچھے بھاگتا ہے اور
دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اس دن کو یاد کرو، جب کہ اہل ایمان کا نور ان کے دائیں بائیں آگے
پیچھے ہوگا اور منافق کہیں گے کہ ہمیں بھی اس نور سے کچھ دے، ان دونوں آیات سے صاف ظاہر
ہے کہ اتباع شریعت سے ایمان اور نور دونوں حاصل ہو جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور مومنوں کو میرے نور سے اور ارشاد
فرمایا کہ اے اللہ میرے سمیع۔ بصیر قلب میں نور کر دے، بلکہ فرمایا کہ مجھے سراپا نور کر دے پس
اگر انسان کا نفس مصفیٰ ہونا محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ دعائے فرماتے اس
لیے کہ محال چیزوں کے لیے دعا کرنا بالاتفاق ممنوع ہے۔ نیز حضرت البراء بن الحدادی رحمۃ اللہ علیہ
کو نوری اسی لیے کہتے ہیں کہ آپ سے کئی بار نور دیکھا گیا، درہست سے خواص و عوام نے صلحا و ادر
شمار کے مقابلے سے نور بلند ہوتا دیکھا ہے۔ یہ نور ان کے تزکیہ نفس کا ہے جب نفس کا کام بلند ہو
جاتا ہے تو اس کا نور بدن میں سرایت کر جاتا ہے اور وہ ہوتے ہوئے بدن کی طبیعت اور مزاج
ہی بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر نفس بدن سے جدا ہو جائے، پھر بھی وہ جسم انوار کا منبع اور منفذ
بن جاتا ہے جس طرح زندگی کی حالت میں تھا۔ انتہی زاد اسلوک ص ۱۵۶ ص ۱۵۷ طبع کتب خانہ
شرف الرشید شاہ کوٹ، یہ طویل اقتباس ہم نے صرف اس لیے نقل کیا ہے کہ اس سے یہ بات
بالکل واضح سے واضح تر ہو جائے کہ جس معنی میں حضرت گنگوہیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
آپ کے پیروکاروں کو نور فرماتے ہیں، وہ حسی نور نہیں، بلکہ معنوی نور ہے جو تزکیہ نفس تصفیہ
نفس کی پاکیزگی اور اتباع شریعت سے حاصل ہوتا ہے اور اس معنی میں سراپا نور ہو کر بھی

انسان - بشر - اور اولاد آدم علیہ السلام ہی میں رہتا ہے۔ اس عبارت کے پیش نظر اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیروکاروں کا سایہ تھا اور یقیناً تھا تو آپ کا سایہ بھی ہونا چاہیے کیونکہ آپ کے پیروکار بھی بقول حضرت گنگوہیؒ بھی نور ہو گئے تھے اور اس لحاظ سے سایہ سے مراد نفوس کی آلائش اور کمزورت کا سایہ ہو سکتا ہے جو اتباع شریعت اور تزکیہ نفس اور ذات کی پاکیزگی کی وجہ سے سب نوریوں پر چھان ہوتا ہے ورنہ جن پیروکاروں کو وہ نور فرماتے ہیں۔ ان کے سایہ کی نفی کرنا پڑے گی، حالانکہ ایسا شاید مؤلف مذکور اور ان کے حواری بھی نہ کریں۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ کی نفی کرنے والوں کو نہ کافر و مشرک قرار دیا ہے اور نہ بدعتی کہا ہے، یہ مؤلف مذکور کے خبیث باطن کا نتیجہ ہے کہ عوام الناس کو ہم سے متنفر کرنے کے لیے بے بنیاد اور غلط باتیں ہماری طرف منسوب کرتے ہیں الحمد للہ تعالیٰ کہ ہم لوگ نہ تو پہلے اپنے احباب و رہبان کی پوجا کرتے تھے اور نہ اب کرتے ہیں۔ یہ کمال صرف آپ لوگوں کا ہے کہ اِتَّخَذُوا اَحْبَادَهُمْ وُدَّهٖبًا فَهُمْ اَوْ كِبَاۤءُ مِّنْ دُوۡنِ اللّٰهِ الْاٰیۡتۃ کا کوئی پہلو ہاتھ سے نہیں جلنے دیتے اور یہی آپ کا قیمتی سرمایہ ہے۔

(۱۲) مواہب لدنیہ۔ زرقانی۔ کتاب الوفاء۔ شفاء نسیم الریاض۔ شرح شفاء ملاحی القاری۔ مدارج النبوة اور تفسیر عزیزی وغیرہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے جتنے حوالے نقل کیے گئے ہیں۔ ان کا جواب ہماری طرف سے ہی ہے کہ سایہ نہ ہونے کی روایت کچھ حضرات نے نقل کی اور اس کو معجزہ تصور کیا گیا اور دوسری طرف صحیح روایات پیش نظر نہ تھیں، لہذا جس روایت میں آپ کا سایہ نہ ہونے کا ذکر ہے اسی پر بنیا درکتے ہوئے ان بزرگوں نے ایسا لکھا ہے، حالانکہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں، بلکہ اس کے خلاف صحیح و صریح روایات موجود ہیں کما تر۔

ہم نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ ہونے کی صحیح معادین کا حوالہ عرض کی ہیں اور مؤلف مذکور نے چند بزرگوں کے حوالے نقل کیے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا بجالے اس کے کہ ہم اس کے جواب میں متعدد حوالے نقل کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مؤلف مذکور ہی کا

جواب خود ان کی عبارات میں عرض کر دیں۔ ہم نے حکم الذکر بالجہ میں حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا کہ نازد کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا اور تجسیر کتنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حدیث میں تھا جواب حضرت اہم شافعیؒ سے یہ نقل کیا تھا کہ یہ حدیث منسوخ ہے ان کا ارشاد روایات پر مبنی ہے اور دیگر حضرات ائمہ کرامؒ کی ان کو تائید بھی حاصل ہے اور وہ خود بھی مجتہد مطلق ہیں، اس کا جواب مؤتلف مذکور نے یہ دیا ہے۔

اہم شافعیؒ تو بہت دور کی چیز ہیں، اگر حدیث رسول کے خلاف صحابہؓ بھی کوئی بات محض اپنی رائے سے کہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (فلاہ ابی داری) کے مقابلہ میں ان کی رائے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہو گا الی قولہ ممکن ہے، آپ کے لیے اہم شافعیؒ کی رائے کافی ہو، لیکن ہم دامن رسالت کو چھوڑ کر کہاں جائیں؟ اور جا بھی کہاں سکتے ہیں؟ اھ (ذکر بالجہ طبع دوم ص ۱۲۵) نیز لکھتے ہیں۔ اہم شافعیؒ کی شخصیت۔ ان کی علمی وسعت اور زہد تقویٰ اپنی جگہ پر یہ تمام امور مسلم ہیں، لیکن جب وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث صحیح کے مخالف کوئی بات محض اپنی رائے سے پیش کریں گے تو شوائی نہیں ہوگی اھ بلفظہ (ص ۱۲۵) نیز تحریر کرتے ہیں کہ یاد رکھیے جب کوئی مسئلہ حدیث سے ثابت ہو اور اس کے معارض اور مخالف کتاب و سنت میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو تو ایسی صورت میں اس حدیث پر عمل کرنا ہی صحیح دین ہے اور کوئی شخص اپنی جگہ پر کتنا ہی بڑا بزرگ اور عالم دین کیوں نہ ہو، لیکن جب وہ حدیث صریح کے خلاف کوئی بات محض اپنی رائے سے بلا دلیل کتنا ہو تو صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں اس کی ذاتی رائے کو چھوڑ دینا ہی ہدایت اور راہ استقامت ہے بعد کا کوئی شخص علم و فضل میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو، صحابہؓ سے نہیں بڑھ سکتا اور جب یہ اصول ہے کہ قول صحابی بھی اگر حدیث رسول کے معارض ہو تو حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو سوچیے جس حدیث کے خلاف صحابہؓ کی بات نہ سنی جاتی ہو تو ان کے خلاف بعد میں کسی بزرگ یا ما و شاکا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ بلفظہ (ص ۱۲۵)

قارئین کرام! ان بزرگوں کے حوالوں کا جو صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں ہیں، اس

سے بہتر اور کیا جواب دیا جاسکتا ہے جو تحریف مذکور نے خود دیا ہے وَكَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا

بلاشبہ علامہ ابن الجوزی بڑے عالم اور محدث ہیں اور بعض اوقات صحیح اور حسن قسم کی روایات کو موضوع قرار دینے کی غلطی کرتے ہیں، مگر ان کی کتابوں میں بے سند اور بے اصل روایات پر سکوت کی کمی بھی نہیں، لہذا ان کا کسی روایت کو نقل کر دینا فن حدیث کے رد سے کوئی دلیل اور حجت نہیں ہے۔

بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بادل کا سایہ ہر وقت رہتا تھا جس کی وجہ سے آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا (دیکھئے دلیل نمبر ۳۳) توضیح البیان ص ۱۹۷

ناظرین کلام یہ بات بھی بالکل غلط ہے، چنانچہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت کے وقت دھوپ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض اوقات حضرات صحابہ کرامؓ سایہ کرتے تھے۔ اگر بادل کا سایہ ہر وقت آپ پر ہوتا تو اس کی ضرورت حضرات صحابہ کرامؓ کو پیش نہ آتی، چنانچہ بخاری شریف میں ہجرت کی طویل حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع ابو بکر صدیقؓ کے ربیع الاول کے مہینے میں سووار کے دن قباہ میں نبی عمر و بن عوف کے پاس فروکش ہوئے تو جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس چلے گئے۔

حتیٰ اصاب الشمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 پر سورج لگا کہ حضرت ابو بکرؓ اٹھے اور
 ابو بکرؓ حتیٰ ظل علیہ بر داند اپنی چادر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 فعرّف الناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کیا تب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کو پہچانا۔ عند ذلک الحدیث۔

(بخاری شریف ص ۵۸۵)

اس صبح اور صبحِ روايت سے معلوم ہوا کہ آپ کے اور سورج کے درمیان ہمیشہ ابرِ حائل نہیں ہوتا تھا ورنہ سورج کی گرمی سے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے حضرت ابو بکرؓ کو اپنی چادر سے سایہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

استعراض چنانچہ مولوی غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں۔ ذریتِ دیوبندیت کے معنوی جدِ امجد شاہ ولی اللہ انفاس العارفين ص ۱۷ پر اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھے ہیں کہ ایک رات نبی اکرم علیہ السلام نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو ملاقات سے مشرف فرمایا اور ازراہ عنایت انہیں اپنے دوسرے مبارک بھی عنایت فرماتے ایک مرتبہ شاہ صاحب نے وہ بال دکھائے اور تین شخصوں نے اس بات کا انکار کیا کہ وہ حضور کے موئے مبارک ہیں اور سبقت چل پڑی۔

پول مناظرہ بامتداد انجائید آلِ عزیزاں جب مناظرہ طوالت کو پہنچا تو وہ لوگ ہر دو ہر دو موئے در آفتاب ہر دند ہاں سلعت ہر دو موئے در آفتاب ہر دند ہاں سلعت ابر پارہ ظاہر شد حال آنکہ آفتاب لیار گرم بود و موسم ابر ہر گز نہ کیے تو بر کرد دیگر گفتند قضیہ اتفاقیہ است دیگر بار آدو دند ابر پارہ ظاہر شد و دیگرے تو بر کردوئے گفت این نیز قضیہ اتفاقیہ است سہ بار بر آفتاب بردند دیگر بار ابر پارہ ظاہر شد سے نیز دمسک تا بان منسک گشت قیسری مرتبہ لے گئے قیسری بار ابر بھی ظاہر ہوا اور قیسر منکر بھی تائب ہوا۔

تفسیر عزیزی پارہ نمبر تیس ص ۲۱۹ پر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ ہمیشہ ابر دو وقت تمازت گرما بر اور ابر ہمیشہ گرمی کے وقت آپ کے اوپر

ایساں سایہ می داشت۔ سایہ کرتا تھا۔

اس موضوع پر وسیع کلام کی گنجائش ہے، لیکن چونکہ آپ کے ہاں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اسی لیے ان کے دو حوالے پیش کر دیے گئے ہیں اب ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے گا۔ شاہ ولی اللہ اور تحفہ اشاعت شریعہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز حضور کے لیے بادل کا سایہ مان کر شیعہ ہو گئے یا تاہنوز سنی رہے۔ اگر وہ شیعہ ہو گئے، تو آپ کا ان کی عبارتوں سے اندھا دھند استشہاد کیا ہے۔ اس کی کیا وقعت رہ گئی۔ اگر وہ سنی رہے تو کیا آپ اپنے اس قول سے رجوع کریں گے کہ بادل کا سایہ کرنا شیعہ کا مسئلہ ہے۔

(توضیح البیان ص ۱۸۷ تا ص ۱۸۸)

الجواب ہم نے یہ نہیں کہا کہ بادل کا سایہ ماننے سے یا ہمیشہ بادل کا سایہ ماننے سے آدمی شیعہ ہو جاتا ہے ہم نے یہ کہا ہے کہ ہمیشہ بادل کے سایہ ہونے کا ثبوت نہیں، بلکہ بخاری شریف کی روایت ہمیشگی کی نفی کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے سایہ نہ ہونے کی روایت جو الکافی میں ہے اس سے شیعہ عالم علامہ قزوینی بھی مطمئن نہیں اور وہ تاویل کرنے پر مجبور ہیں۔ اچانا بطور معجزہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل کے سایہ کے ہم منکر نہیں ہیں، بلکہ اس کے قائل ہیں، چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے۔

فرغت و اُکسی فاذا انا لبسحایة
قل اظلمتني فنظمت فاذا
فیہا جبرائیل الحدیث
ر بخاری ج ۱ ص ۲۵۷

مؤلف مذکور کا اخلاقی اور علمی فرض تھا کہ وہ اپنی ہماری طرف سے صحیح بخاری کی پیش کردہ حدیث کا صحیح جواب دیتے یا اس کا معقول حمل بیان کرتے، مگر وہ ایسا نہ کر سکے جس سے ان کی درماندگی بالکل عیاں ہے ضرورت تو نہیں مگر ہم چند صحیح احادیث اور پیش کرتے ہیں جن

سے یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ آپؐ پر ہمیشہ بادل سایہ نہیں کرتا تھا۔

(۱) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہٴ نجد میں شریک تھے۔ دوپہر کے وقت قیلولہ آگیا اور میدان میں بکثرت جھاڑیاں تھیں فنزل تحت شجرۃ واستظل بہا الحدیث (بخاری ج ۲ ص ۵۹۳) آپؐ ایک درخت کے نیچے اس کے سایہ میں آرام کے لیے اترے۔

(۲) ہجرت کی طویل حدیث میں حضرت ابو بکرؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ راستہ میں ہمیں ایک چٹان نظر آئی۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے۔

ولہا مشی من ظل قال ففتش
لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سایہ میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
فردۃ الحدیث (بخاری ج ۲ ص ۵۵) لیے پورستین بچھائی

ظاہر امر ہے کہ اگر ہمیشہ بادل آپؐ پر سایہ کرتا تو چٹان کا سایہ تلاش کرنے کی اور اس کے سایہ میں آرام کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جعرانہ کے مقام میں تھے۔ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی تھی وعلیہ ثوب قد اُظِلُّ بہ الحدیث (بخاری ج ۲ ص ۵۷۳) اور آپؐ پر کپڑے کا سایہ کیا ہوا تھا۔ یہ حدیث بھی اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے غرضیکہ صحیح بخاری کی یہ صریح روایات اس امر کو بالکل آشکارا کرتی ہیں کہ ہمیشہ آپؐ پر بادل سایہ نہیں کرتا تھا، اگر ہمیشہ آپؐ کے مومے مبارک کے لیے بادل اُڈ اُڈ کر آتے تھے اور آسکتے ہیں تو جہاں آپؐ بنفس نفیس خود تشریف فرما تھے، وہاں بادل ہمیشہ کیوں نہ آتے اور حضرت ابو بکرؓ اور دیگر حضرات کو چادر اور کپڑا تان کر سورج کی تمازت اور حرارت سے آپؐ کو محفوظ رکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور کیوں آئی؟ صحیح احادیث کو ترک کرنا اور غیر معصوم حضرات کی بے سند باتوں اور اقوال و عبارات پر دین کے مسائل کی بنیاد رکھنا دین کی کون سی خدمت ہے؟ بے شک ہم ان حضرات کی عبارات کو پیش کرتے ہیں لیکن صرف وہاں جہاں کسی مسئلہ پر قرآن و حدیث

سے روشنی نہ پڑتی ہو یا ان کی عبارات سے قرآن و حدیث کی مزید تفسیر اور تشریح ہوتی ہو، ہم نے قصداً وادارۃً ان کی عبارات کو قرآن و حدیث کے مقابلہ میں ہرگز نہیں پیش کیا اور نہ اس کو جائز سمجھتے ہیں۔

ملا وہ انہیں اگر بطور معجزہ شریعت عادت کے طور پر آپ کے سونے مبارک پر بادل کسی موقع پر آگیا تھا، تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ یہ سایہ ہمیشہ رہتا تھا جب کہ مطلوب یہ ہے۔

بادل اور فرشتوں کے سایہ کرنے کی مزید روایات اور ان کے جوابات

ناظرین کرام جن دلائل سے غلام رسول سعیدی صاحب بریلوی نے استدلال کیے تھے۔ ان کے جوابات تو عرض کیے جا چکے ہیں ہم یہاں پر کچھ اور ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن سے بادل اور فرشتوں کے سائے کا ثبوت ملتا ہے اور پھر ان پر کچھ ضروری تنقید بھی عرض کرتے ہیں، تاکہ عوام الناس بھی بخوبی اصل حقیقت سے آگاہ ہو سکیں۔

۱۔ مستدرک ج ۱ ص ۶۱۱ اور میرت ابن ہشام ج ۱ ص ۸۱ میں ایک طویل حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر میں تھے اور اونٹ پیارہ سے تھے۔

وعلیہ غمامۃ تظللہ الحدیث * تو آپ پر بادل سایہ کیے ہوئے تھا۔

اہم مآثر جو شیعہ کی طرف مائل تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲۳۳) اس حدیث کو علی شریطا شیعین صحیح کہتے ہیں لیکن نقاد فن حدیث اہل اہل سنت والجماعت علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

قلت اظنہ موضوعاً فی بعضہ میں کتابوں کہ میں اس کو موضوع خیال

باطل (تلخیص المستدرک ج ۱ ص ۲۱۵) کرتا ہوں اور اس کا بعض حصہ تو بالکل باطل ہے

اور ابن ہشام نے روایت محمد بن اسحاق کے حوالہ سے نقل کر رہے ہیں اور محمد بن اسحاق کذاب اور دجال راوی تھا، لہذا ایسی روایت پر اُن صحیح اور صریح احادیث کے مقابلہ میں کیسے اعتماد

کیا جا سکتا ہے جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ الصصح البخاری میں موجود ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ
اوپر ہو چکا ہے۔

علامہ قسطلانیؒ نے اور ان کی تائید میں علامہ زرقانیؒ نے بادل اور فرشتہ کے سایہ کرنے کی
روایت اور چادر وغیرہ سے سایہ کرنے کی روایت میں یوں تطبیق دی ہے؛ چنانچہ پہلے علامہ
قسطلانیؒ نے وہ روایت نقل کی ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ کے ہجرت کے سفر میں آپؐ پر سایہ کرنے
کا ہم بخاری کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں؛ پھر ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَا تَقْدُمُ مِنْ تَظْلِيلِ الْغَمَامِ	وَمَا هُوَ صَرِيحٌ فِي مَوْضِعِهِ
وَالْمَلِكُ كَانَ قَبْلَ بَعْثِهِ	فَلَا يَنَالُ فِي مَا هُنَا (مَوَاهِبُ اللَّذَنِيَّةِ)
وَمَا تَقْدُمُ مِنْ تَظْلِيلِ الْغَمَامِ	مَعَ شَرْحِ الزُّنْدَقَانِي ج ۳
وَالْمَلِكُ كَانَ قَبْلَ بَعْثِهِ	نہیں ہے۔

لیکن اس کاوش کی بیاں بالکل ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ تطبیق کی حاجت وہاں پیش
آئی ہے، جہاں مند کے لحاظ سے دونوں حدیثیں صحیح ہوں اور بیاں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ
بخاری شریف کی روایات بالکل صحیح ہیں اور دوسری حدیث کی روایات میں ایک کلمہ علامہ ذہبیؒ
موضوع کہتے ہیں اور دوسری میں واقعہ جیسا کہ کذاب راوی موجود ہے اور تیسری میں محمد بن
اسحاق جیسا کہ کذاب اور دجال راوی موجود ہیں، تو اندریں حالات تطبیق کی قطعاً کوئی حاجت
نہیں ہے اور بخاری شریف کی جس روایت سے بادل کا سایہ کرنا ثابت ہے، وہ بطور معجزہ
صرف ایک مرتبہ ہی ہے نہ کہ ہمیشہ جب کہ نزاع اور اختلاف ہمیشہ کے سایہ میں ہے۔

(۱۲) جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حلیمہؓ کے پاس تھے، تو اس وقت آپ
کی رضاعی بہن نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل سایہ کیسے تھے، بعد ازاں

آپ جاتے بادل بھی ساتھ چلتے، جہاں آپ رکتے بادل بھی رُک جاتے (محصلاً طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۸۱) لیکن اس کی سند میں واقفی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ امام احمد بن حنبلہ (۱۸۱) ابن المبارک (۱۸۱) ابن زبیر اور امام اسماعیل بن زکریا سب نے اس سے روایت ترک کر دی تھی اور امام احمد نے اس کو کذاب بھی کہا (تندیب التندیب ج ۹ ص ۳۶۲) امام شافعی فرماتے ہیں۔ کتب الواقدی کذاب (ایضاً ص ۳۶۲) کو واقفی کی کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ امام بندار فرماتے کہ میں نے ان سے بڑا جھوٹا کوئی اور نہیں دیکھا اور امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ وہ میرے نزدیک جعلی حدیثیں بنایا کرتا ہے۔ (ایضاً ص ۳۶۲) اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ جو لوگ کذاب ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جھوٹی حدیثیں بنانے میں مشغول ہیں ان میں ایک واقفی بھی ہے (ایضاً ص ۳۶۲)

(۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے غلام میرہ کے ساتھ شام کے سفر پر نکلے تو میرہ نے دیکھا کہ وہ دوپہر کی سخت گرمی میں دو فرشتے آپ پر سایہ کیسے ہوئے ہیں جب کہ آپ اپنے اونٹ پر سوار تھے (محصلاً دلائل النبوة لابن نعیم اصبہانی ص ۱۳۲) لیکن اس کی سندیں بھی وہی محمد بن عمر الواقفی ہے (دیکھیے دلائل النبوة ص ۱۳۲) جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

(۳) مواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی ج ۱ ص ۱۹۹ (خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۵۱) سیوطی وغیرہ میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اونٹ پر سوار دیکھا اور نیز دیکھا کہ آپ پر دو فرشتے سایہ کیسے ہوئے ہیں (محصلاً امام سیوطی اس کو البو نعیم وغیرہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں اور دلائل النبوة البو نعیم کی سند میں الواقفی ہے اور علامہ زرقانی اس واقعہ کے شروع میں فرماتے ہیں۔ کما رواہ الواقفی الخ (شرح مواہب اللزرقانی ج ۱ ص ۱۹۹) تو اس لحاظ سے اس سند کا مدار بھی واقفی پر ہے۔

یہ روایت طبقات ابن سعد اور ابن عساکر (وغیرہ) میں بھی ہے، لیکن ان تمام کی سندیں واقفی سے (سیرت البیہ ج ۲ ص ۲۵۵) ازید سلیمان ندوی، الغرض ہمیشہ بادل یا فرشتوں کے سایہ کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ صحیح روایت صرف وہی ہے جو بخاری شریف کے حوالہ سے

پہلے عرض کی جا چکی ہے جس کا دُکُورِ صرف ایک ہی دفعہ ہوا تھا، اور وہ بھی آپ کے معجزہ کے طور پر اب فیصدہ خود قارئین کرام کریں کہ کیا اُن صحیح احادیث پر اعتماد کرنا جن سے صلحت کے ساتھ آپ کا سایہ ثابت ہے مذہب اسلام کی روح کے مطابق ہے ؟ یا کتاب اور وضاعِ راوی کی روایت اور اسی طرح کی دیگر بے سرو پا روایات کو جبکہ واضح طور پر ان کی اسانید بھی سامنے آجائیں، لینا دین کی خدمت اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے ؟ اور نیز یہ کہ کیا بخاری شریف کی صحیح روایات جن سے آپ پر چٹانِ درخت اور کپڑے کا سایہ کرنا صراحتہً ثابت ہے۔ قابلِ اعتبار ہیں ؟ یا فرشتوں یا بادل کے آپ پر ہمیشہ سایہ کرنے کے بے اصل اور واقعی جیسے کذاب اور وضاع کی بے حقیقت روایات قابلِ اخذ ہیں ؟ کیا ان کو لینا اس کا مصداق نہیں کہ :
حقیقتِ خرافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ واصحابہ
وازو اجلہ ومتبعیہ الی یوم الدین و سلمو
احقر محمد فیاض خان سواتی

مدرسہ نصرت العلوم

۸ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

تبرید النواظر نی تحقیق الحاضر والناظر یعنی - آنکھوں کی ٹھنڈک

مصنف شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد سرفراز خان صاحب صفدر مہتمم مدرسہ
نصرت العلوم گجر نوالہ (پاکستان) (فاضل دارالعلوم دیوبند)
ایسی کتاب جس میں بڑی تحقیق انتہائی جتنجو اور عرق ریزی کے بعد قرآن کریم
، احادیث صحیحہ اور حضرات فقہاء احناف کے صریح فتوے سے یہ مسئلہ واضح کیا گیا
ہے کہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام ہر جگہ حاضرا و ناظر اور عالم الغیب نہیں
ہیں اور فریق مخالف کے دلائل کے مسکت اور دندان شکن جوابات دئے گئے ہیں۔

تحقیق مسئلہ مختار کل

الموسم بہ

دل کا سرور

مصنف: شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر

اس کتاب میں قرآن کریم ، احادیث صحیحہ ، عقائد صحابہ رضی اللہ عنہ اور
جمہور سلف و خلف سے ثابت کیا گیا ہے کہ تکوینی اور تشریفی طور پر عالم اور مختار
کل صرف اللہ تعالیٰ کی ہا ذات ہے کسی دوسرے کو نہ ذاتی طور سے اختیار حاصل
ہے اور نہ عطائی طور پر فریق مخالف نے جن آیات اور احادیث سے بڑھ کر ثبوت
استدلال کی کوشش کی ہے نہایت تحقیق اور جتنجو کے ساتھ ان کے دندان شکن
جوابات تحریر کئے گئے ہیں۔

چند ماہ میں ہی قبول عام حاصل کرنے والی شاہکار کتاب

خطبہ سہلۃ (جلد اول)

کاتیسرا ایڈیشن منظر عام پر

عربی زبان میں آسان تقریروں کا مجموعہ، سادہ و سلیس زبان، عام فہم و شگفتہ طرز بیان، جدید تعبیرات، عمدہ اسالیب اور رگب زندگی کو چھوتے ہوئے طرز ادراک کا حسین امتزاج، عربی ادب کے طلبہ کے لئے انمول تحفہ، ہفتہ واری عربی پروگراموں میں حصہ لینے والے احباب کے لئے ایک گراں مایہ اور قابل قدر پیش کش، کتاب کی عبارتیں اور جملے بلاشبہ ان کے ذوق ادب کو جلا بخشیں گے۔

یہ مجموعہ ۲۳ اسلامی دینی و تاریخی موضوعات پر مشتمل تقاریر کا ایک بے بہا ذخیرہ ہے، اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ اس مجموعے سے اسلامی بنیادوں پر اعتماد مضبوط ہو، دینی جذبات کو فروغ ملے، ملی حمیت بیدار ہو اور ہمارے اندر اپنی عظمت رفتہ کو آواز دینے کا حوصلہ پیدا ہو۔ ان تقریروں میں آپ کو اسلام، اسلامی تاریخ اور سیرت رسول ﷺ اور آپ کے فدائین سے والہانہ عشق و محبت کا جلوہ نظر آئے گا۔

یہ مجموعہ جہاں خطابی ادب کا بیش بہا نمونہ ہے، وہیں اسلام سے عشق و محبت کا نما سندہ بھی۔

(دکشن ہائیکشل، عمدہ و صاف طباعت، بہترین کاغذ، قیمت نمٹ: ۸ روپے)

دیوبند کے کبھی کبھار خاؤں پر دستیاب

ناشر ملکیتہء کاظ دیوبند